سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنی

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم

اس کتاب کے پہلے حصے میں امام ابو حنیفہؒ کا نام و نسب ولادت و سن رشد و تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و افتاء بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات وفات عام اخلاق و عادات مناظرات و فتاوی ذہانت طباعی اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں دوسرے حصے میں اصول و مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث سے تعلق ہیں تفصیلی بحث ہے اور واقعات و اسانید کیساتھ ثابت کیا گیا کہ فن حدیث میں انکا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہی جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور ائمہ کی فقہوں پر ترجیح حاصل ہے خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات درج ہیں

باہتمام سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی تراہا بہرام خاں چھتہ لال میاں

حسب فرمائش

حافظ سید ابو الحسن پرسنل اسسٹنٹ محکمہ انجنیر

ادریس المطابع دہلی میں چھپ کر شائع ہوئی

تفسیر سورۂ بقر

ابھی ابھی چھپکر طیار ہوئی ہی

یعنی حضرت مولٰنا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ کی مقبول عام سورۂ **بقر** کی تفسیر جو عرصہ سے نایاب تھی بصرف زر کثیر و اہتمام خاص ہمنے طیار کی ہے اگر آپ کو تمنا ہے کہ اپنی زبان میں کلام الٰہی کے معارف و حقائق سے آگاہی حاصل کریں تو فوراً منگائیے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اس تحفۂ بے بہا سے غفلت کریں اور یہ ایڈیشن بھی پہلے کی طرح ختم ہو جائے قیمت فی جلد چار روپیہ گلیز کاغذ چار روپیہ آٹھ آنہ

بستان التفاسیر ترجمہ اردو

تفسیر فتح العزیزی پارہ تبارک الذی

مصنفہ عمدۃ المحدثین زبدۃ المفسرین امام العلما قدوۃ الفضلا حضرت مولٰنا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی ؒ ایسے شخص کی تصنیف کی کیا کوئی تعریف لکھ سکتا ہی صرف اُن کا نام کافی ہی گیارہ بڑی بڑی سورتوں کی تفسیر ہے مع احادیث کے، سورہ تبارک، سورہ نون، سورہ حاقہ، سورۂ معارج، سورۂ نوح، سورہ جن۔ سورہ مزمل، سورہ مدثر، سورہ قیامت، سورۂ دہر، سورہ والمرسلات، لڑکیوں اور عورتوں کیواسطے اس کا مطالعہ ضروری ہے ۴۰۰ صفحات سے زائد اور ۲۰۶ صفحات کلاں۔ قیمت رعایتی عہ؍

تفسیر فتح العزیز پارہ عم۔ قیمت ۶؍ رعایتی عہ؍

افغان

یعنی تاریخ افاغنہ مع چار فوٹو

جس میں احمد شاہ درانی والی افغانستان کے مفصل حالات زندگی آغاز سلطنت ہندوستان پر متواتر حملے اور اُسکے فرزند تیمور شاہ اور بیدار بخت پوتے زمان شاہ کی عہد سلطنت کے تمام واقعات نہایت تحقیق سے بیان کیئے گئے ہیں اور تمام باہمی خانہ جنگیوں کا ذکر جو اس درمیان میں ہوئیں مع فوٹو نادر شاہ و احمد شاہ و نواب اکبر خاں صاحب جن کے نام یہ کتاب نذر کیگئی ہے۔

هو المستعان

سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنی

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی سوانح عمری

کا

حصہ اول و دوم

مؤلفہ

شمس العلما مولنا شبلی نعمانی رح

حسب فرمائش سید ظہور الحسن مالک قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستائش کہ بعنوان خوش است
شیفتگانیم و پیمبر پرست
تا بخوری پایہ نگہدار باش
ہر چہ ز بیش است وز کم باز داں
در رہ الفت کہ بود پیچ پیچ
من کہ دریں دائرہ از دیر باز
باز برانم کہ دریں راہ رے
خواستہ ام طرح دیگر ریختن
بزم دگر ہست و تماشا دگر
زمرہ تازہ بساز افگنم
بادہ فرستم بحریفان دگر
زخمہ کہ بر تار سخن میزنم
قاعدۂ سحر طرازیست ایں
باچو دریں معرکہ افشردہ ام
حرمت ایں کار نگہداشتن
کار من است ایں حد ہر خام نیست
دست اگر سوئے قدح بردہ ام
کان معانی ہمہ کاویدہ ام
غارت بتخانہ چیں کردہ ام
خاک در میکدہ ہا بیختم
دایہ اگر دگراں خواستم
فن سیر گرچہ بود دلپذیر
گرچہ متاع از دگر آوردہ ام
گرچہ مرا شیوہ فن ایں نمود
بیشتر از گرم طلب بودہ ام
بزم چوں آں فرہ و آں ساز داشت

نعت ہما گونہ ہمانسان خوش است
سجدہ اگر نیست زمیں بوس ہست
دم ز شریعت زن و ہشیار باش
سجدہ و تعظیم ز ہم باز داں
پا چوں نہی بر تو نگیریم ہیچ
پائے ز خلوت نہ نہادم فراز
دل برم از خلق بافسونگرے
شعبدۂ تازہ برانگیختن
بادہ دگر آرم و مینا دگر
غلغلہ در حلقۂ راز افگنم
از مے دوشیں قدرے تند تر
ہاں بنگر تا بچہ فن میزنم
نیک نگہ کن کہ چہ بازیست ایں
پایۂ فن تا بکجا بردہ ام
نامہ بہ لعل و گہر انباشتن
ایں بود آں مے کہ بہر جام نیست
جائے عنب لخت دل افشردہ ام
کیں گہرے چند فراچیدہ ام
تا صنمے چند گزیں کردہ ام
[illegible] صافی بقدح ریختم
چارہ نہ زد بود ازاں خواستم
نیست درو خود ز روایت گزیر
قطرہ ربودم گہر آوردہ ام
حرف بہ اردو زدن آئیں نبود
بادیہ پیمائے عرب بودہ ام
ساغر من بادۂ شیراز داشت

لیک چوں آں مطرب و ساقی نماند	بوئے ازاں میکدہ باقی نماند
بزم بطرزِ دگر آراستم	خوشتر ازاں نیز کہ میخواستم
گرچہ سرو برگ سخن دیگر است	شمع ہمانست۔ لگن دیگر است
بادہ گوارا بہ عزیزاں تمام	بادہ گلگوں بہ سفالینہ جام

ناموران اسلام جس کا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ اول جب مجھ کو اُسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا۔ جس طرح میں نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانوں سے ہیروز انتخاب کئے ارادہ تھا کہ اسیطرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کئے جائیں اور جو لوگ اُن خاص فنون میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا۔ بلکہ سلسلہ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف والقلم توأمان۔

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتد بہ حصہ لکھ بھی لیا تھا۔ لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کیلئے اُس کی تالیف سے ہاتھ اُٹھانا پڑا۔ اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کے لئے نہایت ضروری ہیں اور یورپ میں چھپ رہی ہیں ابھی تک پوری چھپکر نہیں آچکیں اس زمانۂ انتظار میں بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کروں لیکن یہ دیکھکر کہ الفاروق ناتمام ہے طبیعت رُک جاتی تھی اور اس میدان میں ایک قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نام آوروں کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہیں کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کیلئے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی فقہ۔ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابو حنیفہ رح جو فقہ کے بانی ہیں اُس کا ہیرو قرار دیا۔ امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں اُن ہی کے مسائل قانون سلطنت تھے ا[illegible] ہیں اسلامی دنیا کا غالب حصہ اُن ہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی بلکہ یورپ کی زبانوں میں اُن کی متعدد سوانحمریاں لکھی گئیں ظلم تھا۔ اگر اُن کی لائف خود اُردو میں نہ لکھی جاتی جو بلحاظ اُنہی کے پیرووں کی زبان ہے۔

امام ابو حنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے اُنکی سوانحمریاں لکھی گئیں کسی کی نہیں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ وفیات۔ اعیان۔ سنین وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ اُن کا شمار بھی مشکل ہے۔ لیکن خاص

سیرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی۔ علماء۔ شعراء۔ قضاۃ۔ حکماء میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جن کے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابو حنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت کے ساتھ انکی سوانحعمریاں لکھی گئیں اور اُن ناموروں نے لکھیں جو اس قابل تھے کہ اُن کی مستقل سوانحعمریاں لکھی جائیں اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کا ہمسر ہے تو وہ صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح کے حالات میں جس قدر کتابیں لکھی گئیں اُن میں سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں۔

نام کتاب[1]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد الطحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں اُنکی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ گئی ہے۔
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد الطحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی [illegible] ہجری	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں۔ یہ کتاب بیس جلدوں میں ہے (الجواہر المضیۃ ترجمہ محمد بن احمد)
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے۔ مورخ خطیب نے اُن سے روایت کی ہے۔ قاضی ابو الولید باجی نے اُنکو امام الحنفیہ کہا ہے۔ سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔ یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابو حنیفہ کے متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ)
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تصنیف کی ہے جیسا کہ حنفیوں کی نسبت اُنکی عام عادت ہے۔
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف اُن کی مشہور کتاب ہے یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے۔
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸ھ	موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد فقہ و ادب میں کامل تھے۔ حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں اُن کا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبد اللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہیں ابن جوزی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حدیث میں انکا اعتبار نہیں اسپر صاحب جواہر المضیۃ فرماتے ہیں کہ امام عبد اللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابو سعید دونوں سے بڑھکر ہے۔

[1] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام یا مصنفین [illegible] زائد حالات اور کتابوں سے لئے گئے ہیں [illegible] تصریح کر دی گئی ہے۔

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۶
زوطی غلام نہ تھے	۱۳
امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کیوں روایت نہیں کی	۱۴
تابعیت کی بحث	؍
حافظ ابن حجر کا فتوٰی	۱۵
صحابہ سے روایت نہیں کی	۱۶
تحصیل علم کی تحریک	۱۷
علم کلام کی طرف توجہ	۱۷
حماد کی شاگردی	۱۸
حدیث کی تحصیل	۱۹
کوفہ	۲۰
امام کے شیوخ حدیث	۲۱
حرمین کا سفر	۲۳
عطاء بن ابی رباح	؍
عکرمہ	۲۴
فقہاء سبعہ	؍
امام اوزاعی	؍
امام باقر علیہ السلام کی شاگردی	۲۵
امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے	۲۶
امام صاحب کی صحبت تعلیم حدیث کے مختلف طریقے	؍
طریقہ تعلیم کی ترقی	۲۷
امام کے شیوخ حدیث بہت تھے	؍
شیوخ حدیث کا شمار	۲۸
استاد کا ادب	۲۹
سلسلہ درس کی وسعت	۳۰
زید ابن علی کے خروج میں امام صاحب شریک تھے	؍
قبول خدمت سے انکار	۳۱
سفاح اور منصور کی سفاکیاں	؍
نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت	۳۲
امام صاحب نے ابراہیم کی طرفداری کی	؍
امام ابوحنیفہ بغداد میں طلب کئے گئے	۳۳
عہدہ قضا سے انکار	؍
قید	؍
امام صاحب کو زہر دیا گیا	۳۴
مبالغہ آمیز روایتیں	؍
امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو	۳۶
درباری ٹوپی	۳۷
وظیفہ خواری سے اجتناب	؍
آزادی و بے نیازی	؍
بلاغرض حق گوئی	۳۸
تجارت اور دیانت	؍
فیاضی	؍
شاگردوں کے ساتھ سلوک	؍
حلم و عفو	؍
ہمدردی اور ہمسائیگی کا لحاظ	۴۰
والدہ کی خدمت	؍
رقت طبع و استقلال	۴۱

مضمون	صفحہ
حفظ لسان	۴۱
ذکر و عبادت	۴۲
عبرت پذیری	″
تقسیم اوقات	۴۳
رفع یدین کے مسئلہ میں امام اوزاعی سے مناظرہ	۴۴
قرأت خلف الامام	۴۵
ایک خارجی سے گفتگو	″
قتادہ بصری سے مناظرہ	″
یحییٰ بن سعید سے مناظرہ	۴۶
قاضی ابن ابی لیلیٰ فیصلہ پر نکتہ چینی	۴۷
دیانت	″
استغفار	۴۸
رائے و تدبیر ذہانت و طباعی	″
قاضی ابو یوسف کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اُس کے بعض مقامات	۴۹
امام صاحب کے بعض اشعار	۵۲
ذہانت و طباعی	″
ظرافت	۵۶
فقہ اکبر	۵۷
العالم و المتعلم	″
مسند خوارزمی	۵۸
فقہ اکبر	۵۹
اعمال جزء ایمان نہیں ہیں	۶۰
ایمان اور عمل جداگانہ چیزیں ہیں۔	۶۱
جو لوگ مرجیہ کہلائے	″
امام صاحب کی تحریر	۶۲
ایمان کم و زیادہ نہیں ہوتا	۶۳
متعلق ایمان میں سب برابر ہیں	۶۴
امام صاحب اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے	۶۶
اہل قبلہ سب مومن ہیں	″
مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں	۶۷
خلفائے اربعہ کی قلت روایت	۶۸
بخاری و مسلم نے امام شافعی کے واسطے سے کوئی حدیث روایت نہیں کی	″
جو شخص ایمان کی حقیقت میں عمل کو داخل نہیں سمجھتا تھا امام بخاری اُس سے روایت نہیں کرتے تھے	″
اہل الرائے کی تحقیق ربیعۃ الرائے	۶۹
جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے	″
محدثین میں دو گروہ تھے	″
امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونیکی وجہ	۷۰
ایک اور وجہ	″
امام صاحب کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا۔	″
اجتہاد کی شروط اور امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا	۷۱
محدث ذہبی نے امام ابو حنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے	۷۲
سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ	۷۳
حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے	″
حدیثوں کا وضع کیا جانا	۷۴
وضع حدیث اور روایت میں احتیاط کے اسباب	″
زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں۔	۷۵
امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثیں صحیح ہیں	″
اس خیال کا ایک بڑا سبب	۷۶

مضمون	صفحہ
امام مالک و امام ابوحنیفہ کی شروط روایت قریب قریب متحد ہیں	۷۶
امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں بہت کم ہیں	//
امام صاحب نے روایت کے لئے کیا شرطیں مقرر کیں	۷۷
اخبرنا و حدثنا کے مفہوم کی وسعت	//
اجزا سے روایت	۷۸
روایت بالمعنی	//
روایت بالمعنی میں صحابہ کی احتیاط	//
صحابہ سے ادائے مطلب میں جو کمی زیادتی ہوگئی اس کی مثالیں	۷۹
روایت بالمعنی کے متعلق امام ابوحنیفہ کے اصول	۸۰
اصول روایت	۸۱
جو حدیث اصل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں	۸۳
مخالفت قیاس	//
امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے	۸۴
قیاس کے ایک اور معنی	//
مراتب احادیث کا تفاوت	۸۶
متواتر	//
مشہور - احاد	۸۷
احادیث کے ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق	۸۸
معنعن روایتیں	۸۹
رجال کی تنقید	//
ادائے مطلب	۹۱
خبر واحد قطعی نہیں	//
خبر واحد میں صحابہ نے شک کیا	//
اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر	//

مضمون	صفحہ
فقہ کی مختصر تاریخ	۹۳
مجتہدین صحابہ	۹۴
حضرت علی - عبداللہ بن مسعود	//
ابراہیم نخعی	//
امام ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا	۹۵
تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک تھے۔	۹۶
طریقہ تدوین	//
اس مجموعہ کا رواج	//
امام صاحب کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہوگیا	۹۷
سلاطین اکثر حنفی تھے۔	۹۸
حنفی فقہ کے حسن قبول کا سبب	۹۹
اور مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب	۱۰۰
مسائل فقہ کی تقسیم	۱۰۱
تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کا فرق	//
جو مسائل تشریعی مسائل نہیں ہیں۔	۱۰۲
استنباط احکام کی ابتدا	۱۰۳
واصل بن عطار نے اصول فقہ کے بعض قاعدے بیان کئے۔	۱۰۳
اصول فقہ کی کلیات	۱۰۴
فقہ کا دوسرا حصہ	//
کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے۔	۱۰۶
فقہ حنفی کی خصوصیتیں فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا۔	۱۰۹
دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا	۱۱۱

مضمون	صفحہ
سرقہ کے احکام	۱۱۳
تیسری خصوصیت	۱۱۴
فقہ حنفی میں معاملات کے متعلق جو قاعدے ہیں نہایت وسیع اور تمدن کے موافق ہیں	؍؍
نکاح کے مسائل و محرمات	۱۱۵
معاملہ نکاح میں اختیار	۱۱۶
عقد نکاح کا استحکام	؍؍
عورتوں کے حقوق	۱۱۸
دستورات نکاح	۱۱۹
چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق	؍؍
پانچویں خصوصیت فقہ حنفی کا نصوص شرعی کے موافق ہونا	۱۲۲
اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں۔	۱۲۳
باب الطہارت	۱۲۵
فرائض وضو۔	؍؍
عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔	۱۲۶
ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں	؍؍
تیمم والے کا اثنائے نماز میں پانی پر قادر ہونا۔	؍؍
باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں۔	۱۲۷
مقتدی کو قرأۃ فاتحہ ضروری نہیں۔	؍؍

مضمون	صفحہ
کتاب الحظر والاباحۃ یعنی حلال و حرام کا باب	۱۲۷
باب الجنایات	۱۲۸
وراثت	۱۲۹
نکاح و طلاق	۱۳۰
امام صاحب کے تلامذہ	۱۳۲
تلامذہ محدثین	۱۳۳
فقہا جو تدوین فقہ میں شریک تھے۔	۱۳۷
قاضی ابو یوسف	؍؍
نسب اور ولادت	؍؍
تحصیل علوم کے سامان	۱۳۸
اساتذہ	؍؍
عہدہ قضایت	؍؍
وفات	؍؍
کثرت حدیث	؍؍
تصنیفات	۱۳۹
آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دینا	؍؍
مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں	۱۴۰
اولیات	؍؍

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی سنہ ۵۰۶ھ	مشہور فقیہ ہیں جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے۔
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی سنہ ۸۲۸ھ	گیارہ بابوں میں ہے اس میں امام کے حالات کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبد اللہ بن المبارک امام زفر داؤد طائی وکیع بن الجراح حفص بن غیاث یحییٰ بن زکریا حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا بابوں میں لکھے ہیں۔ یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے۔ سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان میں اسکا ترجمہ کیا۔
مناقب النعمان	ابو القاسم بن کاس	عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی کے حالات ہیں علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ قاضی ابن عبد البر بہت بڑے محدث اور امام ہیں اُن کی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔
کتاب الانتہار فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء	قاضی ابن عبد البر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ	
مناقب النعمان	ابو القاسم عبد اللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں علامہ ذہبی بہت بڑے محدث تھے اس فن میں اُنکے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا۔
المواہب الشریفہ		میزان الاعتدال و کاشف وغیرہ و دول الاسلام و تذکرۃ الحفاظ اُنکی مشہور کتابیں ہیں
بستان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبد القادر القرشی المتوفی سنہ ۷۷۵ھ	مشہور کتابیں ہیں (اسکا ترجمہ ہوگیا ہے جس کا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے۔ الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہیں۔
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
قلائد عقود العقیان مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد السیواسی	مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابوسعید	فارسی زبان میں ہے۔
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی سنہ ۸۰۹ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف وامام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مولانا محمد کافی آفندی قاضی بغہ المتوفی سنہ ۱۲۶۲ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے سنہ ۱۱۶۰ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے۔

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں نایاب ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان والخیرات الحسان موجود ہیں اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گذرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمامتر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے دیباچہ کتاب میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے۔ حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل برقوقیہ کی تصنیف ہے حافظ ابو المحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے۔ ربیع الثانی سنہ ۹۳۹ ہجری میں تمام ہوئی ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ جن میں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے۔ کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں جسقدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔

امام ابوحنیفہ کے حالات میں تصنیف تو مجھکو ایک یہی مل سکی لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں جن میں تاریخ صغیر۔ بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے اور حدیثوں کی تنقید کے لئے زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اس کے لئے یہ تمام دفتر بیکار تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اُس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔

مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہیں۔

قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے اس کا مفصل جواب لکھا شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسیطرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ ہجری اور شیخ ابو عبداللہ محمد بن یحیی الجرجانی المتوفی ۳۹۷ھ نے مستقل کتابیں لکھیں۔

مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جس کا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابوں میں ہے اس میں تفصیلاً امام ابو حنیفہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے اسی مضمون پر عمر بن محمد سید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیح ہے۔ سب سے مفصل کتاب الابانۃ ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے۔ پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ ان کے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں۔ چھٹے باب میں اُن مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفوں نے اعتراض کئے ہیں۔ پھر نہایت تفصیل کے ساتھ اُن کے جواب دیئے ہیں۔

جواہر المضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعوے کیا ہے اُس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔

بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد ملسکتی تھی لیکن مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہاں سے لاؤں کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس ناداری میں وہ بھی غنیمت ہے بعض باتیں اس رسالہ سے لیں۔ باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے جس کے لئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ ولادت نشوونما طریقۂ معاش طرز معاشرت وغیرہ اس قسم کے حالات کو تاریخی پیرایہ کہتے ہیں روایت میں اُنکا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے اُنکے مسائل و طریقۂ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے اس لئے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اُس کی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں اُس کا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی اس کتاب

ہیں میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں اُن میں وہ شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اس میں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر اُن اُصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلئے قرار دیے ہیں۔ عام ناظرین کو شاید اُن بحثوں میں مزہ نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا۔ عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ حدیث کی طرح بال کی کھال نکالی ہے۔ تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہ ہو ساتھ ہی اس کا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گذری ہو کیونکہ نقل در نقل ہو کر اکثر روایتیں اپنی حالت پر قائم نہیں رہتیں ان احتیاطوں کیساتھ بھی ممکن بلکہ ضروری ہے کہ مجھ سے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہوں لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا و قال اللّٰہ تعالیٰ لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعہا۔

امام ابو حنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان۔ نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام لقب۔ شجرہ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ۔ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے البتہ اسمیں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اُنہوں نے اُنکے دادا اور اُنکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔[۱]

اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا ہے اور پردادا کا نام مرزبان۔ حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو اُنکا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمٰعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ مرزبان لقب ہونگے کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اسی لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابو المحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے۔ اُنہوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت [illegible] مرزبا کے ایک معنی ہیں ماہ در اصل وہی مہ ہے جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہے ؎ نہ کہ را منزلت مانند نہ مہ را۔ عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اُس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولی بنی تیم اللہ کہلاتا ہے مخالفوں نے

[۱] محقق تاریخ بغداد لابن خلکان ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

جن کو امام کی تنقیص میں مزہ آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے۔ ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں (گو توریت سے ثابت نہیں) اسلام کے قریب تر زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا امام حسن بصری ابن سیرین طاؤس عطاء بن یسار نافع عکرمہ مکحول جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عام تھے خود یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔ زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں۔ ابو مطیع نے انکو نسل عرب سے شمار کیا ہے اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری۔ حافظ ابو اسحٰق نے شجرہ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے۔ نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئیں تھے۔ زوطی اول اول جب عرب میں آئے ہونگے تو برسوں تک انکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوئی لوگوں کو انکے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہو گا اور ہو گا تو زبان کی اجنبیت کی وجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہو سکے ہونگے۔ معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہو گا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے تھے جسکا مشتق مولیٰ ہے مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں اسیطرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہو گیا جسکی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ "واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا" اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اس وجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں ان ہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہا قاضی نمیری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف[۱] یعنی ہم قسم تھے اس روایت کا (جسمیں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ حصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابو حنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں جنمیں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہیں کیا جاتا یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ غالباً زوطی اسی زمانہ میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا سبب تبدیل مذہب تھا عرب کا رخ کیا یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونیکا شرف رکھتا تھا [illegible] سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب بجالاتے ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "نوروزنا کل یوم" یعنی ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابو حنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا آپنے بزرگانہ شفقت

[۱] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول علامہ نووی نے تہذیب الاسماء اللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱۲

زوطی غلام نہ تھے

ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں پھر اصول حدیث سے اُن کی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں صاف یا تا یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اسکو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد حافظ عبد الرزاق ابن ہمام عبد اللہ بن المبارک ابو نعیم فضل بن وکیع مکی بن ابراہیم - ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے انکی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں -

صحابہ سے روایت نہیں کی

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے - امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے ابو الملۃ الحنیفہ قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا - امام ابو حنیفہ رحمہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی -

سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا حجاج بن یوسف خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کیوجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے - حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے - حضرت عمر بن عبد العزیز نے نہایت سچ کہا اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو پیش کریں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا - عبد الملک نے ۸٦ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی اپین و سندھ دو بڑی مملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزائر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اُسی قدر ظالم اور سفاک تھے - اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "ولید شام میں - حجاج عراق میں - عثمان حجاز میں - قرۃ مصر میں واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا - جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے - تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جس قدر تھا نہایت کم تھا -

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مر گیا - ولید نے بھی ۹٦ھ میں وفات پائی - ولید کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے مسند خلافت کو زینت دی جس کی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنی اُمیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبد العزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی کہ "میرے بعد عمر بن عبد العزیز تخت نشین ہوں" سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھے اُنکی خلافت نے دفعتہً حکومت مروانی کا رنگ بدلدیا اور تمام ملک میں عدل و

وانصاف علم وعمل خیر وبرکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علی پر خطبوں میں جو لعن طعن پڑھا جاتا تھا یکلخت موقوف کردیا- شہزادگان بنو امیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں- جہاں جہاں ظالم عمال تھے یک قلم معزول کردیئے- سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں- یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اُس کی نقلیں بھجوائیں- غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونیکی نہ رغبت ہوسکتی تھی نہ موقعہ مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث تھی اس لئے خزبافی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اُسکو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب درس وتدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو اُنکے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ کہ اُن ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے اُنکے ارادے کو اور بھی استحکام ہوا-

ایک دن بازار جارہے تھے امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے اُنکا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو اُنہوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلالیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو اُنہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا "میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو" اُنہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کسی سے بھی نہیں شعبی نے کہا کہ "مجکو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں- تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو" اس نصیحت نے اُنکے دلمیں گھر کرلیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اُس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا- وہ ادب انساب ایام العرب فقہ حدیث کلام تھا- کلام اگرچہ آجکل کا علم کلام نہ تھا- کیونکہ اس عہد تک مسائل پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم میں دقت نظر بلندی خیال زور طبع کے لئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا- اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا اُس کے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصروشام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہوگئیں ان ملکوں میں اگرچہ حکمت وفلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں- قرآن پاک میں خدا کی ذات وصفات مبداء ومعاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اُس کو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کیلئے وہی کافی تھا بخلاف اس کے فارس اور شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوگئیں جو وسعت تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں- تنزیہ وتشبیہ صفات عینیت وغیریت حادوث وقدم غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث وتدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنادیا رفتہ رفتہ اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہوگئیں اور راویوں کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری مرجی معتزلی جہمی خارجی رافضی کہلائے- یہ فتنہ یہانتک بڑھا کہ اہل حق جو ابتک ان بحثوں سے الگ تھے اُنکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اسطرف متوجہ ہونا پڑا اسطرح علم کلام پیدا ہوگیا جسکو تدوین وترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب (مثلاً امام اشعری وابوالمنصور ماتریدی) کا مایۂ ناز ٹھہرا-

تحصیل علم کی تحریک

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون ومرتب ہوکر اکتسابی علوم میں داخل ہوگیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کیلئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں- قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کردی تھیں- رگوں میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی مذہبی روایتیں اور مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک

علم کلام کیطرف توجہ

معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھکر حاصل کر سکتا تھا امام ابو حنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحث کرنے میں اُن سے جی چراتے تھے تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاصکر خارجیوں کا مرکز تھا۔ اباضیہ۔ صفریہ۔ حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے۔ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اُسکی نذر کر دی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا۔ خارجیوں وغیرہ سے اُنکے مناظرے علم کلام کی جان ہیں اُنکی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کریں گے۔

شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جسقدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا اُنکی طبیعت رُکتی جاتی تھی خود اُنکا بیان ہے کہ آغاز عمر میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہیں باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت اُنسے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا اُن کی توجہ جسقدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے۔ ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں اُن کا طرز عمل کیا ہے اس خیال سے اور بھی تبدیلی پیدا ہو گئی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا تمغائے امتیاز تھا[۵۷]۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے؟ خود تو بتا نہ سکا عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد سے جنکا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جاکر پوچھے یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھسے کہتی جانا تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی اور کہا حماد نے یہ جواب دیا۔ مجکو سخت عبرت ہوئی اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا۔

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں سب سے پہلے کلام کا خیال آیا ساتھ ہی دلمیں گذرا کہ وہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے ایک مدت کی محنت و دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں ادب اور قرأت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کے لئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اور اس کے علاوہ کمسنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کیطرف منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابو حنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اُسکو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس

---

[۵۷] عقود الجمان باب سادس ۱۲

حد تک پہنچ گئی۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت بااینہمہ گو قید کتابت میں آچکی تھی۔ عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلاف پیدا ہو گئے ابن حزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں دو سروں کی طرف منسوب ہیں امام ابو حنیفہ کی نسبت صرف اُن کا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام اور اُستاد وقت تھے حضرت انس رضؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سُنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اسوقت کوفہ میں انہیں کا مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہیں کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اُسکا مدار انہیں پر رہگیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی اُن کا ساتھ دیا تھا یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اور اسوجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام ابو حنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو اُستادی کے لئے انہی کو انتخاب کیا اُسوقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ اُستاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کیلئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں انکا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابو حنیفہؒ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی جس کا تفصیلی بیان آگے آتا ہے تاہم حماد کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے خود انکا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن اُستاد کا ادب مانع ہوتا تھا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اُسکا وارث نہ تھا۔ اس ضرورت سے اُنکو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں اُستاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سُنی تھی اسلئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاط کیلئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے میں نے وہ یادداشت پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے اُنمیں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد جبتک زندہ ہیں انکی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑونگا۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ اُن کی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے اور ان کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سُن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اسطرح

تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جنکے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دارالعلوم کے لقب سے ممتاز تھے انمیں مکہ معظمہ مدینہ منورہ میں بصرہ کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ جو امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا اہل عرب کی روزافزوں ترقی کیلئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کرکے مدائن میں اقامت گذیں تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کے لئے ایک شہر بساؤ جو اُن کا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو۔ سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ میں اُسکی بنیاد کا پتھر رکھا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ اُسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آکر آباد ہونے شروع ہوئے یہانتک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کردیئے۔ چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق کوفہ کو رمح اللہ کنز الایمان ''جمجمۃ العرب یعنی خدا کا علم۔ ایمان کا خزانہ عرب کا سر فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے '' الی راس الاسلام الی راس العرب'' حضرت علیؑ نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کرلی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درسگاہ بنگیا تھا۔[۵]

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کیطرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور اُنکے مستقل ترجمے لکھے ہیں انمیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع۔ عبیدہ بن عمرو اسود بن زید۔ ابو عمرو النخعی۔ زر بن حبیش۔ ربیع بن خثیم عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ۔ ابو عبدالرحمن السلمی۔ شریح بن الحرث۔ شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبہ بن حجاج۔ قتادہ بن دعامہ۔ انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کیلئے مکہ قرأت کیلئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی فقہ کے لئے کوفہ ہے[۶] فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اُسوقت نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں۔ یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کیلئے بھی کافی نہ تھی۔ اس کے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلاف پیدا ہوگئے تھے کہ ایک حدیث جبتک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اُسکے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک

۴؎ یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آثار کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۸۲ میں مذکور ہے ۱۲

۵؎ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ ۶؎ معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲

متعین ہونا دشوار تھا امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کردیا تھا اس لئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔ تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں ابوالمحاسن شافعی نے جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے نزیل تھے۔ تہذیب التہذیب۔ تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے تاہم انہیں کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جن میں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے۔ شیوخ کوفہ میں خاصکر امام شعبی سلمہ بن کہیل۔ محارب بن دثار۔ ابو اسحاق سبیعی۔ عون بن عبداللہ۔ سماک بن حرب عمرو بن مرہ۔ منصور بن المعتمر۔ اعمش ابراہیم بن محمد عدی بن ثابت الانصاری عطا بن السائب۔ موسیٰ ابن ابی عائشہ۔ علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند و روایت کے مرجع عام تھے۔ سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچا ہے۔

امام کے شیوخ حدیث

امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق عرب۔ شام میں چار شخص جو اُستاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے اُن میں ایک یہ تھے۔ امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں مدینہ میں ابن المسیب بصرہ میں حسن۔ شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبی" حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو ایکبار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے خلفا اور اعیان دولت اُن کا نہایت احترام کرتے تھے ۱۰۴ھ میں یا ۱۰۵ھ ہجری میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ بن ابی اوفی ابوالطفیل اور اُن کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ابن سعد نے اُن کو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ امام شافعیؒ کے اُستاد فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایت تھے منصور۔ سلمہ۔ عمرو بن مرہ۔ ابوحصین۔

ابو اسحٰق سبیعی کبار تابعین سے تھے۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن عمر۔ ابن زبیر۔ نعمان بن بشیر۔ زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بتفصیل لکھے ہیں۔ حدیثیں سُنی تھیں عجلی نے کہا کہ ۳۸ صحابہ سے اُنکو بالمشافہ روایت ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے اُستاد تھے اُنکا قول ہے کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث نے شمار کئے تو کم و بیش تین سو ٹھیرے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

سماک بن حرب بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے لکھا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں امام احمد بن معین ابو زرعہ

دارقطنی۔ ابوحاتم یعقوب ابن سفیان۔ نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ۔ معزز و مشہور تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے ابوجعفر منصور کے زمانہ میں کوفہ گئے اہل کوفہ نے اسی زمانہ میں اُن سے حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور ان کی نہایت احترام کرتا تھا ایکبار لاکھ درہم انکو عطا کئے انکے جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑھائی تھی ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ابوحاتم نے انکو امام حدیث لکھا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش۔ کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سُنی تھی۔ سفیان ثوری و شعبہ انکے شاگرد تھے۔ امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری، شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالامال تھا تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام ابوحنیفہ کا اُن کے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور انہوں نے اپنے سامنے ہی فتوی و روایت کی اجازت بھی دے دی تھی۔

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرخس و ابوالطفیل اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں ایک یہ ہیں اِس خصوصیت میں اُن کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا انکے قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے ایک دن اُنہوں نے فرمایا کہ "تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تمکو اُن میں سے کچھ یاد بھی ہیں انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جسقدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا "خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں" اسی بنا پر لوگ انکو احفظ الناس کہا کرتے تھے امام حنبل نے اُن کے فقہ و واقفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں اُن کی برابر ہو تو ہو۔ مگر اُن سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اُنکا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے انکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المومنین مانا ہے عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہوتا ۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو انکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن حدیث بھی مرگیا" شعبہ کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا غیبت میں اکثر انکی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے۔ ایکبار اُنکا ذکر آیا تو کہا کہ "جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں" یحیی بن معین سے جو امام بخاری کے اُستاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہؒ کی نسبت

کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ[۵۱] ہی ہیں بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابو حنیفہ نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبد الکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابو حنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنیکے لئے حرمین جانا ضرور تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تھا تاہم ظن غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا مورخ ابن خلکان[۵۲] نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام نے جس سے مینے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی مینے اجرت پوچھی تو بولا۔ مناسک چکائے نہیں جاتے، میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اس نے پھر ٹوکا کہ حج میں چپکا نہیں رہنا چاہئیے تکبیر کہے جاؤ" حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اس نے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تم نے کہاں سے سیکھے۔ بولا عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

عطاء بن ابی رباح

جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھے انمیں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور انکے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا حضرت عبد اللہ بن عباس ابن عمر ابن زبیر اسامہ بن زید۔ جابر بن عبد اللہ۔ زید بن ارقم عبد اللہ بن سائب عقیل۔ رافع ابو درداء۔ ابو ہریرہ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں خود ان کا بیان ہے کہ میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا" مجتہدین صحابہ انکے علم و فضل کے معترف تھے عبد اللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں" حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کیطرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتوی دینے کا مجاز نہیں[۵۳] ہے بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری عمرو بن دینار انہیں کے حلقہ درس سے نکلکر استاد کہلائے۔

امام ابو حنیفہ رح استفادہ کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا امام نے کہا "میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں" عطاء نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شامل ہوا کریں[۵۴]۔ روز بروز اُن کی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں اُن کا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہانتک کہ جب یہ حلقۂ درس میں جاتے تو عطاء اوروں کو ہٹا کر انکو اپنے پہلو میں جگہ دیتے[۵۵] عطاء ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ معظمہ جانیکا اتفاق ہوتا تو اُن کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

---

۵۱ عقود الجمان باب دہم ۱۲ ۵۲ تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ عطاء ابن ابی رباح ۱۲ ۵۳ ابن خلکان اور کتب رجال میں انکے حالات پڑھو ۱۲ ۵۴ مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ۱۲ ۵۵ عقود الجمان باب عاشر ۱۲

عکرمہ

عطاء کے سوا ائمہ معظمہ کے اور محدثین جنسے امام نے حدیث کی سند لی انہیں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے اُنکی تعلیم و تربیت کی تھی۔ یہانتک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتوے کا مجاز کردیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی۔ ابو ہریرہ۔ عبداللہ بن عمر۔ صفوان جابر۔ ابو قتادہ سے حدیثیں سیکھی تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں اُن کے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُن سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے۔ فرمایا ہاں عکرمہ

اسی زمانہ میں یعنی سنہ ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بنگئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا اُن لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ اُنکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاء کے ذریعے سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اُس کی بنیاد زیادہ تر اُنہی کے فتووں پر ہے۔

فقہاء سبعہ

امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہنچے تو اُن بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے۔ سلیمان و سالم بن عبداللہ سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے اُن کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہ رح کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آکر جمع ہوجاتے تھے جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر اُن لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔ امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں اُن سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دُور دُور پہنچ گئی تھی یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُن کو قیاس مشہور کردیا تھا۔ انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ رح کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں۔

امام اوزاعی

پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے اُن سے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے،، اُنہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے اوزاعی نے اُنکے ہاتھ سے وہ اجزا لے لئے۔ سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں اُنہوں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتلاتے تھے۔ اوزاعی کو اپنی غلطی پر

افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات ہوئی انہیں مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے ان کا بیان ہے کہ ابوحنیفہؒ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانیکے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا میں افسوس کرتا ہوں۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں اوزاعی کی شاگردی کی ہے غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

امام باقر علیہ السلام کی شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اُنکے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "ہاں تمہیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انہوں نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

(ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہے یا عورت (امام باقر) عورت (ابوحنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا (امام باقرؑ) مرد کا (ابوحنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیئے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ (امام باقر) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔ امام باقرؑ اسقدر خوش ہوئے کہ اُٹھکر ان کی پیشانی چوم لی[۱]۔ ابوحنیفہؒ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کیمتعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے اُنکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمعصر تھے اسلئے اُن کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہوں لیکن فضل و کمال میں اُن کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادرای بما فیہا یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہوجاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جارہا ہے جس شہر یا گاؤں میں گذر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوجاتا ایکدفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقہ کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے جاکر کوئی کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے" ابوعاصم نبیل حاضر تھے عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہگئے ہیں۔ امام نے پاس بُلایا اور زیادہ توجہ کے ساتھ اُن کی باتیں سنیں۔ اسمیں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابوعاصم سے فارغ ہوکر ایک اور طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانیکا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابوعاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابوعاصم نے مناظرانہ شوخی سے

[۱] عقود الجمان باب شانزدہم ۱۲

کہا "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں۔ جب فرصت ہوگی جاؤنگا"۔ امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[۱]۔ ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جس کو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے۔

امام صاحب کے اساتذہ اُن کا اسقدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لئے خصیب کے پاس گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ خصیب نے اُن کو آتے دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ بھیڑ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے؟ خصیب نے کہا۔ اخبرنی ابو عبیدة عن عبداللہ ابن مسعود فی بیضة النعام یصیبھا المحرم ان فیہ قیمتہ"

امام کی عظمت

عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابوحنیفہ کے ہوتے حلقہ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھے اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں اُن سے تیرہ برس کم تھے اُنکے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اسطرح مودب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اُس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدرشناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی اُنکا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جنکی اُنہوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا اُنکے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا" یہ ابوحنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں"۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے اُن کی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابوحنیفہ کی کی تھی وہ اُٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

اصول حدیث مختلف تھے

حجاز و عراق کے ائمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے طرز تعلیم بھی مختلف تھا۔ بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا۔ بعض مثلاً ابراہیم شعبی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے اکثروں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے، بعض اس کے بالکل خلاف تھے، ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جبتک سامنے نہ ہو اُس سے روایت نہیں کیجا سکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے اُستاد تھے اُن کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنیکو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے۔ یہانتک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا "کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں" امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں۔ بعض اس کے مخالف تھے یحیٰی ابن سالم اتنی بات پر اُنکے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اُٹھ آئے کہ "وہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں" اسیطرح اور بہت سے اختلافات تھے جنکو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، امام ابوحنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جنچی ہوئی رائے قائم کر سکیں۔ امام موصوف نے اصول میں جو اصلاحیں کی ہیں اُن کا بیان آگے آئیگا۔

---

[۱] الجواہر المضیہ۔ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل ۱۲

طریقہ تعلیم کی ترقی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب و باقاعدہ ہو چلا تھا اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے الفاظ یہ تھے۔ انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذہاب العلماء (یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثیں ہیں قلمبند کر لی جائیں ورنہ ضائع ہونیکا ڈر ہے) اور شہروں میں بھی اس مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جس کی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں[۱] اُس وقت سے تدوین کا عام رواج ہو گیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے۔ شعبی (امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔ طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی۔ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا۔ اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد قلم دوات لیکر بیٹھتے اور استاد جو کچھ روایت کرتا انہی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہو کر وہ الفاظ دُور کے بیٹھنے والوں تک پہونچاتا۔ مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہانتک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں۔ ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو۔ چنانچہ امام شعبی کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علبہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام کے شیوخ حدیث بہت ہیں

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ ان کے شیوخ حدیث بیشمار ہیں۔ ابوحفص کبیر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قومیں اُسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے۔ علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعوی محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن کے شیوخ حدیث کے نام گنوائے ہیں۔ اخیر میں لکھدیا ہے "وخلق کثیر" حافظ ابوالمحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور اخیر میں لکھدیا ہے کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جسکا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن چونکہ انکی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہو۔

افسوس ہے کہ محدثین نے امام مالک کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جن میں انکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے ہماری نظر سے نہیں گذریں۔ رجال کی مستند کتابیں جنمیں امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن انمیں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی۔ مختصر تاریخ بغداد۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب۔

---

[۱] فتح المغیث صفحہ ۲۴۹ و مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۶۔

شیوخ حدیث کا شمار

انساب سمعانی، موطا امام محمد - کتاب الآثار امام محمد کے تتبع[51] سے جس قدر اُنکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں اُن کے نام حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ عطا بن ابی رباح مکی - عاصم بن ابی النجود کوفی، علقمہ بن مرثد کوفی - حکم بن عتبہ کوفی - سلمہ بن کہیل کوفی - حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی - علی بن الاقمر کوفی - زیاد بن علاقہ کوفی - سعید بن مسروق کوفی - عدی بن ثابت انصاری کوفی - عطیہ بن سعید کوفی - ابوسفیان سعدی عبدالکریم بن امیہ بصری - یحییٰ بن سعید مدنی - ہشام بن عروہ مدنی - (از تہذیب التہذیب - حافظ ابن حجر عسقلانی) ابو اسحاق السبیعی کوفی - نافع بن عمر مدنی - عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی - قتادہ بصری - عمرو بن دینار المکی محارب بن دثار کوفی - ہیثم بن حبیب الصراف کوفی - قیس بن مسلم کوفی - محمد المنکدر المدنی - یزید الفقیر کوفی - سماک بن حرب کوفی - عبدالعزیز بن رفیع المکی - مکحول شامی - عمر بن مرۃ الکوفی - ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی - عبدالملک بن عمر کوفی منصور بن زاذان - منصور المعتمر - عطا بن السائب الثقفی - عطا بن ابی مسلم الخراسانی - عاصم بن سلیمان الاحول البصری اعمش کوفی - عبداللہ بن عمر بن حفص المدنی - امام اوزاعی (طبقات الحفاظ - ذہبی از مقامات مختلفہ) ابراہیم بن محمد الکوفی - اسمٰعیل بن عبدالملک المکی - حارث بن عبدالرحمٰن المکی - خالد بن علقمہ الوداعی - ربیعۃ الرائی - شداد بن عبدالرحمٰن بصری - شیبان بن عبدالرحمان بصری - طاوس بن کیسان یمنی - عبدالرحمٰن بن دینار المدنی - عکرمہ مولیٰ ابن عباس مکی - عون بن عبداللہ کوفی - قابوس بن ابی ظبیان کوفی محمد بن السائب الکلبی کوفی - محمد بن مسلم بن شہاب الزہری - ابوسعید مولیٰ ابن عباس (تہذیب کمال) موسیٰ ابن ابی عائشہ کوفی صلت بن بہرام عثمان بن عبداللہ بن حوشب - ہلال ہثیم بن ابی الہثیم - حصین بن عبدالرحمٰن - معن - میمون بن سیاہ - جواب التیمی - سالم الافطس - یحییٰ بن عمرو بن سلمہ - عمرو بن جبیر - عبیداللہ بن عمر - محمد بن مالک الہمدانی - ابوالسوار خارجہ بن عبداللہ - عبداللہ بن ابی زیاد - حکم بن زیاد - کثیر الاصم - حمید الاعرج ابوالعطوف - عبداللہ بن الحسن سلیمان الشیبانی - سعید المرزبان - عثمان بن عبداللہ - ابو حجیہ (کتاب الآثار امام محمد)

ہم نے اس قدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہیں۔ زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان کی فہرست کی برابر اُترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لئے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہیں جتنا کہ اُنکی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسیقدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ اُنکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اس باب میں وہ استادونکی مخالفت کی بھی کچھ پروانہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا۔ وضو کیلئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا۔ حماد نے تیمم کا فتوے دیا۔ امام نے مخالفت کی

[51] ان کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گزری۔ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابوحنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں۔ میں نے اُسی کے حوالے سے لکھے ہیں ۱۲

کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دُور چلکر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اُستاد سے مخالفت کی۔ اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا۔ امام شعبی اُن کے اُستاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایکدفعہ اُستاد و شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ انھوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔ کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں وانہم لیقولون منکرا من القول وزورا تصریح کردی ہے کہ ظہار معصیت ہے۔ امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے خفا ہو کر فرمایا اقیاس انت[1] عطا ابن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنے پوچھے وآتیناہ اھلہ ومثلہم معہم۔ عطا نے کہا کہ خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مرگئی تھی زندہ کردی اور اُن کے ساتھ اور نئی پیدا کردی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جو شخص کی صلب سے نہ پیدا ہوا وہ اُس کی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے[2]۔

امام صاحب کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن شہروں میں اُنکو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں وہاں کی ہوا میں سرایت کرگئی تھیں علماء سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونیکا شوق امام کے خمیر میں داخل تھا ساتھ ہی اُن کی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ کی غرض سے خود اُن کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس و افتا و بقیّہ زندگی

استاد کا ادب

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کرلیا تھا عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کیوقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُستاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں۔ اگلے زمانہ میں اُستاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے خود امام سے منقول ہے کہ حماد جبتک زندہ رہے میں نے اُن کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلا۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی۔ چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دار و مدار انہیں پر رہ گیا اُن کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کردیا۔ حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت اور عربیت کی طرف زیادہ مائل تھے آخر موسیٰ ابن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُنکی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اُٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر اُنکا ایک خاص اثر تھا۔ چند روز تک حلقہ درس اُن کی وجہ سے قائم رہا۔ وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔ مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو ایا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں اُستادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہیں اور اُن کو اُس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا پھر بھی دل مطمئن نہ تھا حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں ڈر کر چونک پڑے

[1] عقود الجمان باب ثامن ۱۲۔ [2] مختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲۔

اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے امام ابن سیرین علم تعبیر کے اُستاد مانے جاتے تھے اُنھوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین ہوگئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے، خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے۔ کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے سنہ ۱۱۰ھ میں قضا کر چکے بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹکر اُنکے حلقہ میں آملیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود اُنکے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام۔ امام اعمش وغیرہ اُن سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے۔ اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو اُن کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو جن جن مقامات کے رہنے والے اُنکی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہوسکتا لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت سے لیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط۔ موصل جزیرہ۔ رقہ۔ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استرآباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس صنعان۔ ترمذ۔ ہرات۔ ہستار۔ الزم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ اُنکی اُستادی کے حدود خلیفہ وقت کی حدود کے برابر تھے۔ رفتہ رفتہ عراق میں اُن کا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہانتک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو انکی شرکت کا گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہی کہ زید بن علی نے بنو اُمیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اُسمیں شریک تھے،، نامہ دانشوران کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اس پر یقین نہیں کرسکتے۔ جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا زید بن علی نے ۱۲۱ھ میں بغاوت کی تھی اُس وقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا۔ ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جزرس تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ رعایا عموماً رضامند تھی۔ بیت المال میں ناجائز آمدنیاں داخل نہیں ہوسکتی تھیں اس حالت میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے۔ بے شبہہ اُنکو بغاوت کرنی ضروری تھی کیونکہ (بخیال اُنکے) خلافت اُن کا خاص حق تھا۔ غالباً اِس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا خاندان اہلبیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعہ پن کا اثر تھا۔ ان اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کردیا ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے خلاف ہیں۔ ہشام نے سنہ ۱۲۵ھ میں وفات کی اُس کے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن ولید۔ مروان الحمار۔ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد

---

[1] عقود الجمان باب خامس ۱۲

نہایت قوت پکڑ گئی - ابو مسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا - مروان نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر - دلیر - فیاض خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا - یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں اس بنا پر اس نے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے - عراق کے تمام فقہا کو جن میں قاضی ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ داؤد بن ہند بھی شامل تھے بلا کر بڑی بڑی خدمتیں دیں امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا - اُنھوں نے صاف انکار کیا - یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا - اُنکے ہمصحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اُس پر مُہر کر دوں - یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز انکو دس دُرّے لگائے جائیں - اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے - آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا - ایک روایت میں ہے کہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۶ھ تک وہیں رہے ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا - ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لئے تجویز ہوا ہو اور اُنھوں نے اس سے بھی انکار کیا ہو۔ ۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنو اُمیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے - اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اُس نے چار برس کی حکومت کے بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی

سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا یہانتک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اُکھڑوا کر اُنکی ہڈیاں تک جلا دیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکّہ نہیں بیٹھا تھا - جا بجا بغاوتیں اُٹھیں - ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا - تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں - لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے - چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمٰن سے جو اُسکا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے " اُس نے کہا کہ میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں منصور نے کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے " عبد الرحمٰن نے کہا " بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اُسی کی ہوتی ہے -

اور بے رحمیاں تو تھی ہیں منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اسمیں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی اور ایک لحاظ سے اُن کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک اُن کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ اُن میں ممتاز تھے اُنکے ساتھ زیادہ بیرحمیاں کیں - محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اسوجہ سے دیباج کہلاتے تھے اُنکو زندہ دیوار میں چنوا دیا - ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنیکو بڑا سخت دل چاہیئے آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت

قبول خدمت سے انکار۔

سفاح و منصور کی سفاکیاں۔

۵۱ عقود الجمان باب بست و یکم۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

لی۔ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے،، نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو و فن جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑکر میدان جنگ میں مارے گئے۔ اُنکے بعد ابراہیم اُن کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اُٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اُٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا، اُنھیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں اُن سے بات تک نکی ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اس وقت تو یہ دُھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے،،

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے اُن کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی اُنکے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے مذہبی گروہ خاصکر علماء و فقہا نے عموماً اُن کا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہ رح شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے سفاح ہی کے زمانہ میں اُنکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہمکو چپ رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے کہ،، امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اسکے لئے سامان شرط ہے لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے ابومسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا اُس کے پاس گئے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی اُسنے اُنکی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے اُنکو قتل کرا دیا۔ امام ابوحنیفہ سنکر بہت روئے[5] لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی اُنکی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہو سکے جس کا اُن کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامۂ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو اُنہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اُسکے یہ الفاظ ہیں۔ اما بعد فانی قد جھزت الیک اربعۃ آلاف درھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بھم فافعل کما فعل ابوک فی اھل صفین اقتل مدبرھم واجھز علی جریحھم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئۃ۔ یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نرکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانیوالے سب قتل کئےجائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجئے گا جو آپکے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔ نامۂ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لئے ہم اُس کی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر اُن کی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے

---

[5] الجواہر المضیئہ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲

شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑکر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ ہوکر منصور اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے اُسوقت تک منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پرہے لیکن چونکہ کوفے والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسرے دارالخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچکر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پائے تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو اُمیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے۔ منصور نے گو پہلے ہی اُن کے قتل کا ارادہ کرلیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈتا تھا دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حجابت کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے اُنکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تمنے کس سے علم کی تحصیل کی امام نے اُستادوں کے نام بتائے جن کا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے۔ منصور نے اُن کیلئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ "میں اسکی قابلیت نہیں رکھتا"، منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو"، امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعوے ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ بغداد طلب کئے گئے

یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اُٹھا سکتے تھے اُنہوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں یعنی یہ کہ "مجکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں میں عربی النسل نہیں ہوں۔ اسلئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی۔ درباریوں کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھاکر کہا تم کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہ قبول کرونگا۔ اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابوحنیفہ! تم امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "ہاں کیونکہ امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے" خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دارالقضا میں جاکر بیٹھے ایک مقدمہ پیش ہوا جسمیں قرضہ کا دعویٰ تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے۔ مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تمپر کچھ دینا نہیں آتا وہ تیار ہو گیا۔ واللہ کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبراکر روک دیا اور آستین سے کچھ روپئے نکالکر مدعی کے حوالے کئے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھسے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا اسپر حکم ہوا کہ قیدخانے بھیجے جائیں جس سے اُسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر اُن کو قیدخانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

عہدہ قضا سے انکار

قید

وفات رجب ۱۵۰ سنہ ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اُسکو اُنکی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونیکی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بنگیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہرگوشے سے اُٹھکر بغداد ہی کا رخ کرتے

تھے۔ امام صاحب کی شہرت دُور دُور پہنچ چکی تھی قید کی حالت نے اُنکے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنیکے اور زیادہ کردیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جسکا شہر میں بہت کچھ اثر تھا اُنکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے اُنکو گو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر اُنکے آداب اور تعظیم کے خلاف نکر سکتا تھا قید خانہ میں اُنکا سلسلۂ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمدؒ نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں اُنسے تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں اُنکو زہر دلوا دیا جب اُنکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔ انکے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنیوالوں کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہو سکی۔ امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرہ میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں مغصوب نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے شرقی جانب اُنکا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ اُنکے جنازہ کی نماز پڑھا کئے قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی۔ اسوقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے اُستاد تھے سب نے اُنکے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز الفاظ کہے۔ ابن جریج مکہ میں تھے سنکر کہا "اناللہ بہت بڑا علم جاتا رہا" شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہوگیا" اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانیکا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا "ابوحنیفہ خدا تم پر رحم کرے۔ ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس تمنے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا"[۱]

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت وشان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا ۴۵۹ھ میں اُن کی قبر پر ایک قبہ اور اُسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا۔ غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اسی سنہ میں لیکن اُسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابوسعد شرف الملک کہ الپ ارسلان کا المستوفی تھا اس کے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علماء اور عمائد شریک تھے اتفاق سے اُسی وقت ابوجعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

الم تر ان العلم کان مبددا	فجمعه هذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت هذه الارض میتة	فانشرها فعل الحمید ابی سعد

یعنی "تم دیکھتے نہیں! علم کس طرح کا ابتر ہو رہا تھا پھر اُس شخص نے اُسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہے اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابوسعد کی کوشش نے اُسکو دوبارہ زندہ کیا" یہ مدرسہ جو مشہد ابوحنیفہ کے نام سے مشہور ہے

[۱] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲۔

مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اُسکے پروفیسر مقرر ہوئے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں ۴۹۳ھ میں حکیم ابن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[۵۱] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے اُنکو وہاں سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد میں پہنچا ہے عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ "اسوقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے جہاں سے مسافرونکو کھانا ملتا ہو۔ آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے حال کے شاہ ایران سلطان ناصرالدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اسکا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی" علم کی شان دیکھو جس کی بدولت کوفہ کے ایک بزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اُس کے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کیوقت حماد کے سوا کوئی اور اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں اُنکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو انکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سامان و اسباب امانت رکھا تھا۔ اُنھوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں انکو پہنچادی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا اُنھوں نے کہا کہ آپ ان کی جانچ کرلیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہوجائے۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کرکے خود روپوش ہوگئے اور اسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی۔ نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ ۱۷۶ھ میں قضا کی چار بیٹے چھوڑے۔ عمر۔ اسمٰعیل ابوحیان۔ عثمان۔ اسمٰعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی۔ چنانچہ مامون الرشید نے اُنکو عہدۂ قضا پر مامور کیا۔ جسکو اُنھوں نے اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر انکی مشایعت کو نکلا اور سب لوگ۔ ان کی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے[۵۲]۔ مساور نے ان کی مدح میں کہا ہے[۵۳]۔

اذا ما الناس یوما قایسونا	بآبدۃ من الفتیا طریفہ
اتیناھم بمقیاس صحیح	تلاد من طراز ابی حنیفہ
اذا سمع الفقیہ بھا وعاھا	واثبتھا بحبر فی صحیفہ

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ لیکن ان کی جسمانی اولاد بھی جابجا موجود ہے۔ خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلۂ نسب امام تک

[۵۱] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ الطبیب ۱۲ [۵۲] ابن خلکان ترجمہ حماد [۵۳] معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسلٍ اُن کی میراث چلا آتا ہے۔

اَخلاق و عادات

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ تیس برس تک متصل روزے رکھے۔ جہاں وفات کی اسجگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا،، نہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں۔ ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی،، اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ان کا ذاتی صرف صرف دس آنہ ماہوار تھا یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے ان کی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مؤلفین انہیں دوراز کار قصوں کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں۔ نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی انہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنمیں یہ فضول قصّے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کیلئے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کیلئے جو قیدیں ضروری ہیں اُن سے بھی کچھ بڑھکر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو۔ امام صاحب کی دانشمندی۔ دقیقہ سنجی۔ نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیۃ اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔

امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو اُنہوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی۔ ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے اُنھوں نے کہا جہانتک میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور اُن کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے اہلِ دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے،، ہارون الرشید نے یہ سنکر کہا صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں،، عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے درصل اُسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا میانہ قد خوشرو اور موزوں اندام تھے گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے

لباس

تھے۔ مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب و قاقم کے جبّے بھی استعمال کرتے تھے ابو مطیع
بلخی جو انکے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم
چار سو درہم ہوگی ایک دن نصر بن محمد ان سے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانیکی تیاری کر رہے تھے۔
انہوں نے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے
شرمندہ ہونا پڑا۔ انہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے۔ نصر کہتے ہیں میں نے وہ چادر پانچ دینار
کو خریدی تھی اور مجھکو اسپر ناز تھا۔ اسلئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع
پر جب میں نے انکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا۔ خلیفہ
منصور نے درباریوں کے لئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور ان پر
سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافۃً کہا۔

فزاد الامام المرتضى في القلانس	وكنا نرجي من امام زيادة

درباری ٹوپی

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا،، امام صاحب اگرچہ
دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے
تھے دنیادار و دولتمندوں کیلئے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا
گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا
طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا ان کے ہمعصر عموماً شاہی دربار یا وزراء اور امراء کے
وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے قاضی ابن عبد البر کسی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ امراء کے وظیفہ خوار
ہیں اُنھوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امراء کے
روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی اور مفت خوری کا اثر نہیں
سمجھتے کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا۔ علماء بطور خود اپنے گھروں پر یا مسجدوں
میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے اور یہ سلسلہ اسقدر وسیع اور مفید تھا کہ آج تک اس سے بڑھکر نہ ہو سکا۔ امراء کے ہاں سے
ان لوگوں کیلئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر ملجاتا تھا۔ اس کو آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھ لینا چاہئے
لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مثالوں سے پیرزادگی اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہوگئی جسنے قوم
کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابو حنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ
سے انکی مخالفت بجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے
باک نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اسکے اثر سے بچنا ممکن
نہیں تو قریباً ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہ ہوئے اور اس وجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی
تھی اکثر موقعوں پر وہ اس بات کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا انسے
بلجاجت کہا کہ آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھپر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے ملکر کیا کرونگا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے تو
خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں۔ عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو اسکی حاجت

وظیفہ خواری سے اجتناب

آزادی اور بے نیازی

نہیں میرے پاس جو دولت ہے اُسکو کوئی شخص چھین نہیں سکتا عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا۔

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو اُس نے امام صاحب کا نام لیا اُسیوقت طلبی کا فرمان گیا خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سُنے منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار۔ منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سُنا امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کرکے کہا مگر یہ اجازت اس شخص کے لئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خود خدا فرماتا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً منصور چپ ہوگیا امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ "آپ کی کنیز" آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے۔ امام صاحب نے روپئے پھیر دیئے اور خادم سے فرمایا جاکر خاتون سے کہنا کہ "میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا بلکہ میرا فرض منصبی تھا"

بلاغرض حق گوئی

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی اُنکے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی تھی ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے خریدار کو جتا دینا حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا تھان بیچڈالے اور خریداروں کو اس عیب سے اطلاع نہ دی امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کردی۔

تجارت اور دیانت

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرادیجئے امام صاحب نے دام پوچھے اُس نے سو روپیہ بتائے فرمایا کم ہیں اُس نے کہا تو دو سو روپیہ فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہیں اس نے متعجب ہوکر کہا کہ آپ شاید ہنسی کرتے ہیں امام صاحب نے پانچسو روپئے اپنے پاس سے دیدیئے اور تھان رکھ لیا اس احتیاط اور دیانت نے اُنکے کارخانے کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا۔ تجارت اور اکتساب دولت سے انکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کیلئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا کہ اُس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا[۵] عام رواج تھا کہ گھر والوں کیلئے کوئی چیز خریدتے تو اُسیقدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اُسکا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں میں جنکو تنگ حال دیکھتے اُس کی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کرسکے۔ بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبہ پر پہنچے انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

فیاضی

شاگردوں کیساتھ سلوک

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے ان میں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا لوگ رخصت ہوکر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اُس کو اٹھا ناؤ اُسنے دیکھا تو ہزار درہم کی

۵؎ علامۂ نووی نے تہذیب الاسماء میں ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲

ھیلی تھی عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجکو اس کی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہ نہ ہو۔
ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تھے راہ میں ایک شخص ملا جو ان کا مقروض تھا اُس نے دُور سے انکو دیکھ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا اُنھوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو" وہ کھڑا ہو گیا۔ قریب پہنچے تو پوچھا مجکو دیکھ کر تم نے رستہ کیوں کاٹا اس نے کہا آپکے دس ہزار درہم مجھپر آتے ہیں جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکے۔ اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی۔ امام صاحب اُسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبداللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے اُن کو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپئے آتے ہیں اور یہ ادا نہیں کرتا امام صاحب نے عبداللہ سے اسکی حقیقت پوچھی اُنھوں نے سرے سے انکار کیا امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے اُس نے کہا چالیس درہم متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانے سے حمیت اُٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی!! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے۔ اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا اُنکے ایک دوست نے چندہ کر کے انکا قرض ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی۔ امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کسقدر قرضہ ہے اُنھوں نے کہا چار ہزار فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدیئے تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات ان کی نسبت منقول ہیں۔ ہم نے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کئے۔ اس دولت مندی اور عظمت و شان کیساتھ نہایت متواضع حلیم اور خلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے۔ شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا۔ ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا اُس نے کہا "مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے" امام صاحب نے فرمایا حسن نے غلطی کی" حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش میں آگیا اور جھلا کر کہا" او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو درہم برہم کر دیا اور لوگوں نے چاہا کہ اسکو پکڑ کر سزا دیں۔ امام صاحب نے روکا ان کے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اس شخص کیطرف خطاب کیا اور فرمایا کہ" ہاں حسن نے غلطی کی عبداللہ بن مسعود نے اس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے اُن سے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے امام کو زندیق کہدیا۔ اسپر فرمایا کہ خدا تم کو بخشے وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت جو تم نے لفظ کہا صحیح نہیں ہے امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا کسی مسلمان یا ذمّی کو نہیں ستایا کسی سے فریب اور بدعہدی نہیں کی۔

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھ شکر رنجی تھی ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان ثوری آپ کو بُرا کہہ رہے تھے امام نے فرمایا کہ خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے۔ سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا ایکدن مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شخص نے جسکو اُن سے کچھ عداوت تھی عام مجلس میں انکی نسبت ناسزا الفاظ کہے اُنھوں نے

کچھ التفات کی اور اسیطرح درس میں مشغول رہے۔ شاگردوں کو بھی منع کردیا کہ اسکی طرف متوجہ نہوں درس سے اُٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھ باقی رہ گیا ہو تو اُٹھا نہ رکھیو کہ اب میں اندر جاتا ہوں تمکو موقع نہ ملے گا۔

ایک اور دن حلقۂ درس قائم تھا ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا اس نے کہا ابوحنیفہ تمنے جواب میں غلطی کی ابوالخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے انکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تمکو ذرا جوش نہیں آتا امام صاحب نے ابوالخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا اسکا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا۔ ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔ ۵

اضاعونی و ای فتی اضاعوا ... لیوم کریھۃ و سداد ثغر

ہمدردی اور ہمسائگی کا لحاظ

یعنی لوگوں نے مجھکو ہاتھ سے کھودیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو کم سوتے تھے۔ اسکی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کیوجہ سے کچھ تعرض نکرتے۔ ایک رات کو توال شہر اُدھر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کرکے قیدخانہ میں بھیجدیا۔ صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا اُسی وقت سواری طلب کی دربار کے کپڑے پہنے اور دارالامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا۔ لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں اس نے درباریوں کو استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ دارالامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اُٹھا۔ اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا پھر عرض کی کہ "آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھکو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا تھا کوتوال نے اُسکو گرفتار کرلیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کردیا جائے۔ عیسیٰ نے اُسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کردیا گیا۔ امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہوکر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا امام اس کی طرف مخاطب ہوئے کہ کیوں ہم نے تمکو ضائع تو نہیں کیا" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا! اس نے عرض کی نہیں آپ نے ہمسائگی کا پورا حق ادا کیا۔ اس کے بعد اس نے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقۂ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو

۵ یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقے سے مذکور ہے میں نے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے ۱۲

اُن کی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکّی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ
گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں۔ کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ ان کے ساتھ خاص
عقیدت تھی کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کیلئے اُنکے
پاس جاکر مسئلہ پوچھتے وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں فرماتے کہ والدہ کا یہی حکم ہے
اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا۔ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھ کو بتادیں میں اُسکو آپکے سامنے دوہرادوں"
کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود جاکر پوچھوں گی۔ خچر پر سوار ہوتیں امام صاحب پا پیادہ ساتھ ہوتے خود مسئلہ کی صورت
بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سُن لیتیں تب تسکین ہوتی ایکدفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی
ہے مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں تمہاری سند نہیں۔ زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجھکو اعتبار آئیگا
امام صاحب اُن کو لیکر زرعہ کے پاس گئے او مسئلہ کی صورت بیان کی۔ زرعہ نے کہا کہ بالکل صحیح ہے یہ سنکر اُن کو تسکین
ہوئی اور گھر واپس آئیں ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلا کر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر درے لگوائے
اُسوقت امام صاحب کی والدہ زندہ تھیں۔ اُن کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجکو اپنی تکلیف کا
چنداں خیال نہ تھا۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دلکو صدمہ پہنچتا ہے۔

رقت طبع

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالتمیں دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے ایکدفعہ
مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے پر سے گر پڑا دفعتہً اس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑگیا حلقۂ
درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی۔ جب تک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ

استقلال

صبح کو جاتے اور اس کی تیمار داری کرتے تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو
تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اُن کے پائے ثبوت کو لغزش نہیں ہوئی
نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔
ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ
گرا۔ امام کی گود میں آیا تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔ مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالکؒ کو بھی ایک بار ایسا ہی
اتفاق پیش آیا وہ اُن کی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔
بات نہایت کم کرتے تھے۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد آپسمیں
نہایت آزادی سے بحثیں کرتے۔ آپ چپ بیٹھے سُنا کرتے۔ جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا
تو قول فیصل بیان کردیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی تھی۔

حفظ لسان

غیبت سے پرہیز رکھتے تھے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا
ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے۔ مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی فرمایا
ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابو حنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت
کرتے نہیں سنا انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ایسے بے وقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کریں" قسم کھانی بُرا
جانتے تھے۔ اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ

دونگا۔ اتفاق سے بھول کر کسی موقعہ پر قسم کھالی اسکے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

ذکر و عبادت

نہایت مرتاض اور زاہد تھے۔ ذکر و عبادت میں اُن کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ "اُن کی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں" اکثر نماز میں قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زائدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا امام ابوحنیفہ کیساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر تھا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وقانا عذاب السموم بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہانتک کہ صبح ہو گئی اور یہی آیت پڑھتے رہے ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر یعنی قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے" اسی آیت میں رات ختم ہو گئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشا میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے میں ٹھہر رہا امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں یہ دیکھ کر میں اٹھ آیا کہ اُن کے اوقات میں خلل نہو صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں کہ "اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا۔ نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا" ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا۔ وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا مسعر بن کدام ساتھ تھے انھوں نے سنبھالا ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اسقدر بیقرار ہو جانا کیا تھا" فرمایا "کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو" ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے نوکر نے کپڑوں کے تھان نکالکر رکھے اور تفاؤل کے طور پر کہا خدا ہمکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اسقدر روئے کہ شانے تر ہو گئے۔ نوکر سے کہا کہ دوکان بند کر دو۔ آپ چہرے پر رومال ڈالکر کسی طرف نکل گئے۔ دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا کہ بھائی! ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں حضرت عمر فاروقؓ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اگر مجھ سے نہ مواخذہ ہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں" ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ابوحنیفہ خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو امام صاحب پر اس کا اسقدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی اُس شخص کیطرف مخاطب ہوئے اور کہا بھائی! خدا تمکو جزائے خیر دے اگر مجھکو یقین نہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کریگا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا" کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اُسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں اُن سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا ابوحنیفہ کے گناہ بہت کم تھے۔ اس لئے اُن کو یہ خیال

ہوتا تھا جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں اُن پر ہزار آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ غیبی تنبیہ ہے۔

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوئے ہوتے تھے انکے جواب لکھتے۔ پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے ... ہوتے قلمبند کر لئے جاتے۔ نماز ظہر پڑھکر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس دینے کا مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت ماتم پرسی غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا نماز عشا پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے اور رات رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اُٹھکر نماز عشا پڑھتے پھر تمام رات تہجد اور ورد و وظائف میں گزرتی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی فتوی اور مناظرات نصائح اور دلپذیر باتیں

جو چیز امام صاحب کی۔ قوت ایجاد۔ جدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات۔ غرض ان کے تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے وہ علم فقہ ہے جس کی ترتیب و تدوین میں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے اسی ضرورت سے ہم نے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ اس بحث کیلئے خاص کر دیا ہے۔ اس موقعہ پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سینکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے۔

اس مقام پر یہ کہنا ضرور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت بے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے اُن کو اپنی تالیفات میں نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کے لئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اُس کی نسبت اچھی یا بری سینکڑوں روایتیں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض حالتوں میں اسقدر عام زبانوں پر قبضہ کر لیتی ہیں کہ خواص تک کو اُن پر تواتر کا دھوکا ہوتا ہے لطف یہ کہ معتقدین۔ جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جسکو وہ مدح سمجھتے ہیں اور در اصل ذم ہوتی ہیں۔ اسیطرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان واقعات سے بجائے اس کے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے امام ابوحنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنے نہیں ہیں۔ بعض مصنفوں نے انکی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھدئے ہیں۔ جنکو خدانخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک۔ متفنی سخن ساز ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسی وجہ سے اہل تحقیق خصوصاً محدثین نے ان کے لکھنے سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے ہم بھی اُن کو قلم انداز کرتے ہیں اور انہیں روایتوں پر اکتفا کرتے

ہیں جو بظنِ غالب ثابت اور صحیح ہیں۔
اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے اُنہوں نے علومِ شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کئے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے اس لئے ظاہر بینوں کا ایک گروہ جن میں بعض مقدس اور سادہ دل بھی شامل تھے اِن کا مخالف ہوگیا تھا اور ہمیشہ اُن سے بحث و مناظرہ کیلئے تیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً اُنکے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے۔اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں۔ مناظرہ اس وقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ عیون والحدائق کے مصنف نے اُن کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے شعبی، طاؤس۔ عطاء سے مناظرات کئے۔ یہ لوگ امام صاحب کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ ان لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے جو اُس عہد میں عموماً مروج تھا[۵]

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور کہا کہ عراق والوں سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ حالانکہ میں نے زہری سے اُنہوں نے سالم بن عبداللہ سے۔ اُنہوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلہ میں حماد۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ۔ عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ انحضرت ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے،، امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ! میں تو زہری سالم عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں آپ اس کے مقابلے میں حماد نخعی علقمہ کا نام لیتے ہیں،، امام ابوحنیفہ نے کہا میری رواۃ آپ کی رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے اس لئے اُن کی روایت کو ترجیح ہے،، امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے[۶] اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کر سکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

رفع یدین کے مسئلے میں امام اوزاعی سے مناظرہ

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصّہ میں ہوگی۔ یہاں امام اوزاعی کے حوالے سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحج میں ایک لطیف بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اس لئے بحث کا تمام تر مدار اس پر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے۔ عبداللہ بن مسعود آنحضرت کے زمانہ میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صف اوّل میں جگہ پاتے تھے۔ بخلاف اس کے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور اُن کو دوسری تیسری صف میں کھڑا

[۵] امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد میں اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں علم آدم الاسماء کلہا لکھے ہیں۔ اور عقود الجمان میں زیادہ استقصاء کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور کتابوں میں جستہ جستہ ذکر ہے۔ ۱۲

[۶] علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات سے اسکے اشارے پائے جاتے ہیں ۱۲

ہونا پڑتا تھا اسلئے آنحضرت کے حرکات و سکنات سے واقف ہو نیکے جو موقع عبداللہ بن مسعود کو ملے عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہوسکتے تھے۔ امام محمد کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اُصول درایت پر مبنی ہے امام ابو حنیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا ہے اُسمیں اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

قرأت خلف الامام

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا وا اتنے آدمیوں سے تنہا میں کیونکر بحث کرسکتا ہوں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کرلیں۔ جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو۔ اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے لوگوں نے منظور کیا" امام صاحب نے کہا " آپنے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا۔ اسیطرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جس کو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اُس کی قرأت ہے"۔ یہ امام صاحب کے مخصوصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی۔

ایکدفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہوگیا تھا۔ امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ " توبہ کرو" اُنھوں نے پوچھا کس بات سے ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی" امام صاحب نے فرمایا کہ " اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھ کو تقریر کی اجازت دو ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں۔ چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا پھر ان پر الزام کیا ہے" ضحاک دم بخود ہوگیا۔ اور چپکا اُٹھکر چلا گیا۔

اسی ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی دوڑے گئے اور پوچھا کہ آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے اُس نے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پہلے اُن لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جسکو اُنھوں نے چھوڑ دیا یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جو اب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا کیا کہا پھر کہنا امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ ضحاک نے کہا بے شبہہ میری خطا تھی اسی وقت حکمدیا کہ تلواریں نیام میں کرلی جائیں۔

قتادہ بصری سے مناظرہ

قتادہ بصری جن کا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کوفہ میں آئے اور اشتہار دیدیا کہ مسائل فقہ میں جسکو پوچھنا ہو تو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا" چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے بڑا مجمع ہوا جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے

کھڑے ہوکر پوچھا کہ ایک شخص سفر میں گیا۔ برس دو برس کے بعد اُس کے مرنے کی خبر آئی۔ اُس کی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اُس سے اولاد ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اُسکو انکار ہے کہ میری صلب سے نہیں ہے زوج ثانی دعویٰ کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اُس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے۔ قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش بھی آئی ہے" امام نے کہا نہیں لیکن علماء کو پہلے سے تیار رہنا چاہیئے کہ وقت پر تردد نہو۔ قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعویٰ تھا بولے کہ ان مسائل کو رہنے دو تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو۔ امام ابوحنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمائش کی اور ایک شخص نے جو غالبًا آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعویٰ کیا کہ میں چشم زدن میں لادونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایکدم میں شام سے یمن پہنچکر تخت اُٹھا لائے۔ یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی۔ اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا قتادہ نے بھی یہی معنی بیان کئے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا "حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں" قتادہ نے کہا نہیں۔ امام صاحب نے کہا کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانے میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو۔ امام صاحب نے کہا "آپ مؤمن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپکو مؤمن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے۔ حسن بصری سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جس کے جواب میں اُنھوں نے کہا کہ انشاء اللہ۔ پوچھنے والے نے کہا انشا اللہ کا کیا محل ہے۔ فرمایا کہ میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابوحنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہم پرستی ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعًا مومن ہے اور اُسکو سمجھنا چاہیئے کہ میں مومن ہوں البتہ اگر اس میں شک ہے تو قطعی کافر ہے اور پھر انشاء اللہ کہنا بیکار ہے امام ابوحنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا۔ قتادہ سے پوچھا آپنے یہ قید کیوں لگائی اُنھوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجھکو اُمید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کردے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اولم تومن تو اُنھوں نے جواب میں "بلیٰ" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں آپنے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی۔ قتادہ ناراض ہوکر اُٹھے اور گھر میں چلے گئے۔

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور منصور عباسی کے دربار میں بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے تاہم کوفہ میں ان کا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابوحنیفہ صاحب کا تھا اسپر اُن کو تعجب ہوتا تھا اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ "کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہیں۔ تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے" امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف و زفر اور چند ممتاز شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں۔

قاضی یحییٰ نے کہا نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے لاضرر ولاضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں۔ صورت زیر بحث میں چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے اس لئے شریک اول ایسے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا"۔ امام ابو یوسف نے کہا "اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائیگا۔ امام ابو یوسف نے کہا "آپنے خود اپنے قول کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپکے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اُسیطرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکور میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اُسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسیطرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا اب صرف دوسرے شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ایک فیصلہ پر نکتہ چینی

محمد بن عبدالرحمٰن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہہ اور صاحب الرائے تھے ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابو حنیفہ اور اُن میں کسی قدر شکر رنجی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اُس کی اصلاح کرنی چاہتے تھے۔ یہ اُنکو ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایک دن کام سے فارغ ہو کر مجلس قضا سے اُٹھے راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے ٹھہرے ہو گئے اثناء گفتگو میں عورت نے اُس شخص کو یا ابن الزانیتین کہدیا یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لیجائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکمدیا کہ عورت کو کھڑا کر کے دُرّے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔ امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں مجلس قضا سے اُٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا۔ یہ آئین عدالت کے خلاف ہے مسجد میں حد مارنے کا حکمدیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھاکر حد مارنی چاہیئے قاضی صاحب نے اس کے خلاف کیا ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسری حد کی تعمیل ہو سکتی ہے۔ جسکو گالی دیگئی اُس نے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنیکا کیا اختیار تھا"۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جاکر شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابو حنیفہ فتویٰ نہ دینے پائیں۔ امام صاحب اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم یا امیر کے حکم کی پروا نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ میں اور بہت سے علما موجود تھے اسلیئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن گھر میں بیٹھے تھے اُن کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا روزہ جاتا رہا یا باقی رہا"۔ امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھ میں تو فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہوں"۔ مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے[۱] چند روز کے بعد گورنر کوفہ

دیانت

ے ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۱۲

ے اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں اور حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں کسیقدر اختلاف کیساتھ نقل کیا ہے ۱۲

کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابوحنیفہ کیطرف رجوع کرنا پڑا جس وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینے کی عام اجازت ہوگئی۔

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اُس دعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہیں جو بظاہر ان کی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا۔ ہم نے امام شافعی۔ امام مالک امام بخاری۔ امام مسلم اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں پڑھے ہیں ان میں اس سے زیادہ ادعا اور حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں تو ہمکو شبہہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی اصلی تصویر نہیں دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادی کا خاکہ کھینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اسکے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جن میں انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے اس سے لوگوں کو اچھے کاموں میں اُن کی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی بخلاف اس کے اگر بالکل فرشتہ بناکر پیش کروگے تو لوگ شاید اُن کی پرستش کرنے پر آمادہ ہوجائیں لیکن ان کی ریس کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ شخص دائرہ انسانی سے باہر تھا ہم انسان ہوکر کیونکر اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔

استفتاء

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ شریک۔ امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے۔ شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ جمع تھے دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا اُس نے گھبراکر پھینک دیا وہ دوسرے شخص پر جاگرا۔ اُس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مرگیا دیت کس پر لازم آئے گی، یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ وار ہوگا سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔

امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے اُن کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہوچکا۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے اُس کی دو حالتیں ہیں اگر اسکے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اُسکو کاٹا تو اُس پر دیت لازم آئے گی۔ اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہوچکا۔ اگر سانپ نے اُسکو کاٹا تو اس کی خود غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزدستی کیوں نہ کی۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی جودت طبع کی تعریف کی۔

رائے و تدبیر ذہانت و طباعی

رائے و تدبیر۔ عقل و فراست۔ ذہانت و طباعی۔ امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف ہیں جنکو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت۔ اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابوحنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابوحنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا

کرتے تھے کہ میں کم وبیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک اُنمیں ابوحنیفہ تھے۔ ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف ہیں جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن۔ قوت حافظہ۔ بے نیازی۔ تواضع۔ قناعت۔ زہد۔ اتقا۔ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل ورائے۔ فراست وتدبیر کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیاوی انتظامات کا بھی متکفل ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو۔ سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص ان کا ہمسر کہا جاسکتا ہے۔ بے شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ تمام فرقہ علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت وحکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت وحکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی تھے۔

امام ابوحنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ ان کے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جس کے فرائض کو انہوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایاں تھا وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا منہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اور شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم کی۔ ہم نے ان کے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقۂ درس سے اُٹھکر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت دیانت اور قابلیت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا قاضی ابویوسف صاحب جو ہارون الرشید کے عہد میں صیغۂ قضا کے وزیر تھے اور جنکی حسن تدبیر وانتظام نے اس صیغہ کو اسقدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا۔ یہ امام ابوحنیفہ کی ہی صحبت کا فیض تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بیخبر نہ تھے۔ وہ ہمیشہ شاگردوں کو ایسی ہدایتیں کرتے جن کی پابندی سے دنیا ودین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ قاضی ابویوسف کو امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی اس کے جوہر صاف نظر آتے تھے۔ اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو کچھ ہدایتیں لکھکر دیں جو تمام مہمات دینی ودنیاوی کیلئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اسکو بتمامہا نہیں نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اسکا انتخاب لکھنا ضرور ہے۔

قاضی ابویوسف کیلئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اُس کے بعض مقامات

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد ورفت رکھنا۔ اس سے ہر وقت اس طرح پر خطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے جب تک کوئی خاص ضرورت نہو

دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جن سے تم کو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب اُن کا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہ ہو وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اُس کا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائیگی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تم کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے واقف ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدے اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اُس کو ہرگز نہ قبول کرنا" ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اُس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و وقعت رکھتا ہے کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے۔ خود بادشاہ سے اگر نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہوں تاہم آپ کو آپ کی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اُسکے شر سے خدا تمکو محفوظ رکھے"

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اُس وقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ واریاں اُٹھا سکوگے ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ اُن کو گمان ہوگا کہ تم اُن سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہو نگے۔ بازار میں جانا۔ دوکانوں پر بیٹھنا۔ راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھالینی سقایات یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا ان باتوں سے نہایت احتراز رہے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں عام اور معمولی رتبہ کے لوگ مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء اور فضلا سے اسطرح ملو کہ اُنکو رقابت کا خیال نہ ہو علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ رہ سکیں گے۔ اور زبان میں لغزش ہوگی جو لوگ آداب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ مناظرہ کے وقت غصہ نہیں کرنا چاہیئے ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جبتک سامنے سے نہ پکارے جواب نہ دو۔ کیونکہ

پیچھے سے پکارنا جانوروں کے لئے مخصوص ہے۔ راستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو۔ حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی نسبت زیادہ اُجرت صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ گفتگو میں سختی نہ ہو آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیجکر منگوالو۔ خانگی کاروبار دیانت دار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہ تم کو اپنے مشاغل کے لئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکوت نہ اختیار کرو ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو اور فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم رہے عام آدمیوں میں بیٹھ کر وعظ نہ کہو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی درس گاہ میں شریک ہو کہ اُسکے متعلق رائے قائم کرسکو وہ اگر کبھی غلطی کرجائے تو بتادو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اُس نے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے معتمد دوستوں یا شاگردوں کو بھیجدو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کریں ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو۔ جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہوجاؤ۔ ہر مہینے میں دو چار دن روزہ کیلئے مقرر کرلو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہونے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو لہو و لعب سے پرہیز کرو۔ ہمسائے کی کوئی بُرائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔ اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز میں جبتک تم کو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو۔ جو تم سے ملنے آئیں اُن کے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہل علم ہونگے تو فائدہ اُٹھائینگے ورنہ کم ازکم ان کو تم سے محبت پیدا ہوگی ''

عبدالعزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے اُن کے پاس آئے اور کہا کہ خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کے سامنے وعظ کہوں مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں۔ اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ اے امیرالمؤمنین دنیا کے طلب کرنے میں تین غرضیں ہوسکتی ہیں۔ عزت۔ ملک۔ مال یہ سب آپ کو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دولتیں حاصل ہوں۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زیاں کار کون ہوگا'' جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اُس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی بازپرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا'' اگر علماء خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں'' جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے'' جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے علم اُسکے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔ سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔ بس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز رہے اسکی مغفرت کی بہر حال امید کیجاسکتی ہے'' جو شخص حدیث

سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لئے ہے،، جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اُس کے آگے علمی گفتگو کرنی اُسکو اذیت دینی ہے،، اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثاء) کے لئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے،،

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہوسکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اُس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو، ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں۔ جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے۔

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں فرمایا کہ قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھ کو اِن کا ڈر لگا رہتا ہے۔ ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا۔ اس لئے اسپر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں،، اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے، خود اُن کا قول ہے کہ حضرت علی کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا۔ اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا، علم میں سعی وسفارش کا کام نہیں۔ علماء کا خود فرض ہے کہ ان کو جو کچھ آتا ہو تو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص وعام کی کوئی تفریق نہیں۔

ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا "روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن وعافیت سے ملے جائے تو اُس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اُٹھانی پڑے،، اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

دو قرص نان اگر گندم است یا از جو	سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا از نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع	کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر نزد ابن یمین	ز فر مملکت کیقباد و کے خسرو

امام صاحب کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن تشبیب وغزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

امام صاحب کے بعض شعر

ومن المروۃ للفتے	ما عاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتھا	واعمل لدار الآخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اُس کو اچھا مکان چاہیئے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لیئے کوشش کرنی چاہیئے۔

ذہانت طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے، یہاں تک کہ ان کا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو

ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے۔ کان من اذکیا بنی آدم یعنی اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گذرے ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان میں شمار کئے جاتے ہیں،، مشکل سے مشکل مسئلوں میں ان کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے، اکثر موقعوں پر ان کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے ان کے ہمسر تھے، موجود ہوتے تھے انکو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اُس سے مطابق کر کے فوراً جواب دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولیگی میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔ عورت تند مزاج تھی، اُس نے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دوہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اُس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہیں ''۔ وہ مایوس ہوکر اُٹھا اور امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ للّٰلہ آپ کوئی تدبیر بتایئے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ اور امام ابوحنیفہ سے جاکر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیتے ہیں۔ امام صاحب نے اس شخص کو بُلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ صورت واقعہ بیان کرجاؤ اُس نے اعادہ کیا۔ امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔ سفیان نے کہا کیوں ؟ فرمایا جب عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی۔ پھر قسم کہاں باقی رہی[۵] ،، سفیان نے کہا حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ دو بیٹوں کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان واکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح۔ سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کہ دفعتہً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا۔ اور کہا غضب ہوگیا لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اُس کا شوہر نہ تھا۔ اب کیا کیا جائے ''۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جاکر بلا لائے، امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے۔ دونوں نے کہا ہاں،، امام صاحب نے کہا کہ تو اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑھا لے

[۵] اس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے ۱۲۔

ہو اُس کے ساتھ ہمبستر رہ چکی،، سفیان نے جو جواب دیا، اگرچہ فقہ کی رُو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے۔ جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت وحمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں وہ خلوص واتحاد پیدا نہ ہوگا۔ جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے اُن کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا اور اُن کے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا دیکھا تو بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اُس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھ کر کہا "یا اباحنیفہ،، (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اُن کو پہچانا) امام ابوحنیفہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے اُس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ لونڈی خرید دیتا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے۔ فرمائیے کیا تدبیر کروں" امام ابوحنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اس کو ساتھ لے کر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اُس کا نکاح پڑھا دو اب اگر وہ آزاد کریگا تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لونڈی اُس کی ملک نہیں طلاق دے گا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی" سعد کہتے ہیں کہ مجھ کو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔

ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا۔ منصور سے کہا کہ حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبداللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ اُن کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جاویگا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا۔ ابوحنیفہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائے گا ورنہ لغو اور بے اثر ہے" امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپ کی بیعت کا کچھ اثر نہیں منصور نے کہا یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا ان کا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کیا کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں گھر پر جا کر انشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں۔ جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا"

امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے۔ فرمایا "یہ تو تمہارا ارادہ تھا میں نے صرف مدافعت کی"

ایک دفعہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں" خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اُس سے

توبہ کرتا ہوں کسی نے ان خارجیوں سے جا لگایا کہ ابوحنیفہ نے تم لوگوں کو دھوکا دیا۔ ان کا مطلب اور تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب کو پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی۔ امام صاحب نے کہا تم کو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولے کہ نہیں گمان ہی گمان ہے'' امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ خدا فرماتا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعۃً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا تم کون لوگ ہو امام صاحب نے فرمایا مستجیرین اور خدا نے فرمایا ہے کہ و ان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ مانگے تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اسکو اُسکے امن تک پہنچا دو۔ خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ اور واجب القتل جانتے ہیں اس موقع پر وہ اس نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر اس کو قتل کر دیں لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے اُن کو بالکل مجبور کر دیا۔ چنانچہ اُن کے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ انکو قرآن پڑھکر سناؤ اور انکے گھر انکو پہنچا آؤ۔

ابوالعباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ اُن کو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابوالعباس بھی حاضر تھا لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے۔ امام صاحب سے مخاطب ہوا اور کہا کہ ابوحنیفہ! امیرالمومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مار دو۔ ہم کو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں ایسی حالت میں ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے یا انکار کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے کہا تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل'' منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کر سکتا۔ ابوالعباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو اسکو طلاق ہے'' لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا امام صاحب نے فرمایا کہ نماز عصر پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے۔ اس صورت میں سب شرطیں پوری ہو گئیں بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی غسل جنابت کیا تو اس وقت کیا کہ دن گذر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے کچھ روپئے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے تھے اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجھکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتائیے۔ امام نے فرمایا بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو۔ اُس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ آج ساری رات نماز

پڑھو،، اُس نے جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کو یاد آگیا کہ روپئے فلاں جگہ رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ ”ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے اُس نے جلد یاد دلا دیا۔ تاہم تم کو مناسب تھا کہ اُس کے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ ”میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا ہے کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کروں“ امام صاحب نے کہا ”تمکو یاد نہیں تو مجھ کو اور بھی یاد نہ ہونا چاہیئے“ وہ رونے لگا امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لئے اور اس کے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا کہ ”یہ اگر تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کے لئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے،، سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتلائے امام صاحب نے فرمایا کہ انھیں تین چار جگھوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا۔ اُن کے کھدوانے کا حکم دیا خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔ امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ۔ متین۔ با وقار

ظرافت

تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ سفید بالوں کو چن لینا،، اُس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا ”یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لو کہ اور زیادہ نکلیں!! قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ ”ابوحنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا،،

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہارا رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا اُس کے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابوبکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اسکا سر پھٹ گیا اور اُسی صدمہ سے مرگیا۔ محلہ میں اُس کا چرچا ہوا۔ امام صاحب نے سنا تو کہا ”دیکھنا اُسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اُس نے عمر رکھا تھا لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہودی تھے،، امام صاحب ایک دن اُس کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈتے تھے ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے اور دولتمند بھی ہے۔ اُس کے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ قرآن ہے،، شیعی نے کہا تو اس سے بڑھ کر کون ملیگا۔ ضرور آپ شادی ٹھہرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا ”صرف اتنی بات ہے کہ مذہبًا یہودی ہے،، وہ نہایت برہم ہوا اور کہا سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں،، امام صاحب نے فرمایا کیا ہوا خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تم کو کیا عذر ہے،، خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اُسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدے سے توبہ کی۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

فقہ اکبر

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُن کے یہ نام ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم۔ مسند۔ فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اُسپر شرحیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً محی الدین محمد بہاؤ الدین المتوفی سنہ ۹۵۳ھ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی۔ مولی احمد بن محمد بن المغنساوی۔ حکیم اسحق شیخ اکمل الدین ملا علی قاری۔ ملا علی قاری کی شرح متداول ہے۔ بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں حکیم اسحق کی شرح کو ابو البقاء احمدی نے سنہ ۹۱۰ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں العالم والمتعلم۔ سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

العالم والمتعلم

مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی سنہ ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں کچھ دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں اُن کی کوئی کتاب نہیں ہے اس پر مجکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علما نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

مسند

(۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاد (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسی بن عیسے (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابو بکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابو یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام السعدی۔ ابو المؤید خوارزمی نے جن مسندوں کے نام لئے ہیں اُنکے سوا اور بھی مسانید ہیں۔ مثلاً مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی سنہ ۵۲۲ھ ہجری مسند حصفکی جس کی شرح ملا علی قاری نے لکھی۔ مسند ماوردی۔ مسند ابن البزازی المتوفی سنہ ۸۲۷ھ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں فیصلہ بالا

کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کیطرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جس کے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اُس زمانہ کی ہزاروں تصنیفات کے نام۔ تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا۔ خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری امام اوزاعی حماد بن سلمہ۔ ہشیم۔ معمر جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج اُنکا نام ہی نام رہگیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

مسند خوارزمی

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور اُن کا مسند بے شبہہ امام ابوحنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے اُن مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جبتک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اُسکا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھی اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے اُن کو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں لوگوں کی زبانوں پر تھیں جنکا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکماء اور واعظین کے مقولے تھے جن کو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا ہے۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جن کو ان نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے اُن کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی۔ تصنیفات خطیب ابو نعیم وجوزقانی وابن عساکر وابن نجار و دیلمی میں ملسکتی ہے۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی بات اتنی کی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُن کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن اُن کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جن کو انہوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رُو سے ہرگز ثابت

نہیں ہوسکتا۔ خوارزمی نے آثار محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اسلئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اُسکو امام صاحب کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر کو اگرچہ فخرالاسلام بزدوی۔ عبدالعلی بحرالعلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اُسپر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کیجاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار و ترتیب کیساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخری زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں اُن کا رواج ہو جائے۔ فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اُسوقت بار پایا ہے۔ جب کثرت استعمال کیوجہ سے زبان کا جز بن گئے اور عام بول چال میں بھی اُن کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخرالاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے۔ جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ جنمیں سے اکثر بجائے خود اُستاد تھے اور واسطہ در واسطہ اُن کے اُن کے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اُس کا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اُس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف شرح مقاصد۔ شرح مواقف۔ ملل و نحل وغیرہ تصنیف ہوئیں اُن میں کہیں اُس کا ذکر تک نہیں ہے اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی یا اور اُس کے بعد ہوئیں اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں اُن کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں اُن کو کلیۃً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو۔ محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے معنی در حقیقت یہی ہیں۔ کہ خود ابو مطیع اُس کے مصنف ہیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ فقہ اکبر کا موجودہ ترتیب و عبارت۔ ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اُسکی موجودہ ترتیب

امام ابوالطاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے - فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے صرف ترتیب بدل دی گئی ہے - برخلاف اس کے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے -

ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھدیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے اصل واقعات اور ہماری رائیں دونوں اُنکے سامنے ہیں - وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں بے شبہ ہماری خالی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے -

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے صحابہ کے آخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے پیدا ہو چلے تھے - معبد جُہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا مسئلہ قدر کو چھیڑا - واصل بن عطاء نے جو علوم عربیہ و علم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا - اعتزال کی بنیاد قائم کی -

جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا - خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ان مسائل کے جابجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا - امام صاحب کو بھی ان کی رد و قدح کی طرف التفات ہوا - اس میں شک نہیں کہ اُن کی بے نظیر ذہانت سے ان مسائل میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوئی ہونگی - لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے اسلیئے ان مباحث کا آج پتہ نہیں چلتا - تاہم چند مسائل جو تواتر اُن کی طرف منسوب ہیں اُنکی وقعت نظر جدت ذہن وسعت خیال کے شاہد عادل ہیں اُن میں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا مسئلے ہیں - پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے - آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے - فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں اسلیئے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہوسکتی ہے نہ اُن میں سے ایک دوسرے کا جزو ہوسکتا ہے لیکن اُس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اُسکے خلاف تھے -

اعمال جزو ایمان نہیں ہیں

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی - اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا - بنوامیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کردیئے - جبر و قدر - تشبیہ و تنزیہ - عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں ان بحثوں کی ابتدا اُن لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے یا اُن پر عجم کا پرتو پڑا تھا - چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا برہمی پیدا ہوگئی اور محدثین و فقہا نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلے کو اُٹھے اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا - لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا - معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا - لوگوں نے اُس کی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے

تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے اور صحیح بخاری میں اُن کی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ اُنکو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں نہ آنے پائے[1]۔ امام بخاری خود قرآن کے قدیم ہونے کے قائل تھے لیکن قرأت قرآن کو حادث کہتے تھے۔ ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے۔ اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیۃً اس مذہب کے مخالف ہو گئے چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اس کے موید تھیں اُن کی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی یہ ایک اجتہادی رائے تھا اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص اُنکی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اُس کو فاسق یا کافر سمجھتے تھے۔ قاضی ابو یوسف ایک بار شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو انھوں نے کہا "میں اُس شخص کی شہادت قبول نہیں کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں۔"

ایمان اور عمل جداگانہ چیزیں ہیں؟

امام ابو حنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے۔ جب یہ بحث اُن کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت سے لوگوں نے انھیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہاء میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے انکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔

جو لوگ مرجیہ کہلاتے

محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء و محدثین کے نام گنائے ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں۔ ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ۔ طلق الحبیب۔ حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی داؤد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویۃ الضریر۔ یحییٰ بن زکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگونکی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر غش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید اُن کو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیئے۔ یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا لیکن اُسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے۔ حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی

---

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۱۲

ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔
امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا، حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لئے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے۔ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار و اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی مجازاً اصل شئے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شئے فوت نہیں ہوتی۔
لیکن یہ جواب توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں فیہ ترک ھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہو جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیئے یا مان لینا چاہیئے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں۔
اس بحث کے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے۔ جس کی طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے۔ اس لئے اس موقع پر ہم اس کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا عثمان اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے۔ عام لوگوں میں جب امام ابو حنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انھوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں۔ مجھ کو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے کیا یہ باتیں صحیح ہیں۔ اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے فقرے ہم کہیں کہیں سے انتخاب کرتے ہیں حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے۔ رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اس کو تسلیم کریں۔ پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اس کی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص ان لوگوں کے لئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اس کا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحاً اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان نہیں جاتا رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ

سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصی بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسےٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی تمہارے لئے اسی دین کو مشروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جس کی وصیت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو کی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں متفرق نہ ہو۔

آپ کو جاننا چاہیئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے خود خدا نے قرآن پاک میں یہ اطلاقات کئے ہیں کیا آپ اس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں گمراہ ہو اس شخص کی برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو خدا نے جہاں فرائض بتائے ہیں اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا یعنی خدا نے اس لئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو دوسری آیت میں ہے ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخرٰی (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسری یاد دلادے) حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنی میں نے جب وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا)۔ ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوے کے ثبوت کیلئے دلائل قاطعہ ہیں۔ اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضا امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام والوں کو جو ان سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھکر کوئی گناہ ہے۔ پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں اگر آپ صرف ایک کو یعنی حضرت علی رضا اور طرفداران علی کو برسر حق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اس کو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے۔ جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے خدا کو اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کردے۔

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوےٰ کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا۔ امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں ان سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں دو چیزیں ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں ہو سکتا من یومن باللہ فیعمل صالحاً میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ مومن مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا

حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے سب بے شبہہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے - ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحۃً یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہے جنت میں جائیگا گو زانی اور چور ہو۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا بے شبہہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے - نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی - ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جس میں شدت اور ضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا کہ اولم تومن، یعنی کیا اب تک تجھ کو یقین نہیں آیا عرض کیا کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کر دی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زادتھم ایمانا - اس مسئلہ میں نص صریح ہے لیکن امام ابوحنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا - امام صاحب کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے - جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے - جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں - علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں - فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنی "ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جابجا اس کی تصریح کی ہے - امام ابوحنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے ان کے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور یہ بالکل صحیح ہے - حدیث میں آیا ہے کہ ابوبکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم و صلوۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اس کے دل میں ہے" غرض امام صاحب کا یہ دعوی نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا یہ دعوی ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا - یہ دعوی اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں اور اس کو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں -

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں - ایمان کے لئے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کیلئے یکساں ہیں صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں - فرق ہے تو اعتقاد کی شدت اور ضعف میں ہے - اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اھل السماء والارض واحد یعنی آسمان و زمین والوں کا ایک ہی دین ہے پھر اس دعوے پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحا یعنی ہم نے تمہارے لئے وہی

متعلق ایمان میں سب برابر ہیں

دین شروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی" مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا کہ وہ اسبات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابو بکر صدیق رض کا ایمان برابر ہے" اگرچہ امام صاحب کیطرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے۔ جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اُس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کردیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعوی کیا ہے اُن کو یہ الفاظ نہایت گراں گذرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے اور قرون اولی کے بعد اسلام میں اُسکی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو ان مشاجرات نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آراکی بنا پر قائم ہو گئیں ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی۔ عبد اللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہ رض نہایت اصرار سے اُسکے مخالف تھیں" امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ رض سماع موتیٰ کی قائل نہ تھیں۔ لیکن اُس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے اُن میں کبھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ "کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ خود کافر ہیں یا نہیں" حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ اُس وقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے[۵۱] صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہو گئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں اور ہیں تو متعارض ہیں اس لئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سینکڑوں رائیں قائم ہو گئیں۔ بے شبہ انمیں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبعیتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لا سکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں۔ بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اُسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کیلئے موضوع روایتوں سے اعانت لی اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمیں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی۔ اس فرضی تعداد کو بھی پورا کرنا ضرور تھا اسلیئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیئے اور سب کے الگ الگ نام رکھے اسپر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقہ کیلئے جدا جدا انہیں گھڑیں مثلاً القدریہ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ۔

ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کر دیئے اور مذہب اخلاق حکومت تمدن معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابو حنیفہ تھے جنکی صدا سب سے الگ تھی اور جو پکار کر

[۵۱] آثار امام محمد صفحہ ۱۲۶۵

کہتے تھے لا نکفر احدا من اہل القبلۃ یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے [1] اُسوقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہانتک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بن گیا اگرچہ افسوس ہے کہ اس پر عمل کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہ ہوئے۔

امام ابوحنیفہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے تھے

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی بڑے بڑے مشہور بانیان مذہب اُنہیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو اُن سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ خارجیوں کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطاء و عمرو بن عبیدہ جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ جہم بن صفوان جس کے نام پر فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ میں تھا امام صاحب اُن میں سے اکثروں سے ملے تھے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے بعض کی تعبیر غلط طور پر کیگئی تھی۔ بعض ورا اصل لغو و باطل تھے لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچے تھے اس لئے امام ابوحنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہیں" وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں جو کفر و اسلام کی معیار قرار دیگئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن کا تھا جس کو لوگوں نے کلمہ توحید کی برابر قرار دیا تھا بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ "اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جنہوں نے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا اور امام احمد حنبل جو مامون الرشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے بلکہ ایک اعتبار سے امام احمد حنبل کو ترجیح ہے کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکر کے معاون و انصار تھے لیکن امام احمد حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔"

اہل قبلہ سب مومن ہیں۔

رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ وہ "حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے اُنکی غرض ان الفاظ و اصوات سے تھی جن کا ظہور رسول اللہؐ کی زبان سے ہوا جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے امام ابوحنیفہ سے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں اور وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہے ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم فرمایا کہ حادث کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے۔

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً نصی نہیں ہیں اور اس وجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہو سکتے امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اُنہوں نے اسلام کے دائرہ کو جو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا۔ افسوس ہے کہ ان کی اس رائے پر بہت کم عمل کیا گیا ورنہ امام غزالی محی الدین عربی حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ و ابوطالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گذرے ہیں جو اجتہاد و روایت

[1] کتاب الاوائل ابوہلال عسکری ۱۲

دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کیساتھ ہوئی جو انکا کمال غالب تھا امام ابوحنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ انکی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں انکی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا لیکن جسقدر حدیث و روایت میں اُن کا زیادہ اعتبار ہے اسیقدر استنباط اور اجتہاد میں انکی نام آوری کم ہے - علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں اُن کا شمار نہیں کیا۔[1] قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الانتہائی لفضائل الثلثۃ الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے - امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے تاہم اُنکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا -

مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں -

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں - محدث - مواعظ قصص - فضائل - سیر ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے - بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف اُن احادیث سے غرض ہوتی ہے جنسے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے - یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایت ہوئے موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں خود امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو - قاضی یحیٰے بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا۔ حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے کیونکہ اُن کو فقہ کا شغل رہتا تھا۔[2] حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا - امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا - اور عموماً اُن کی قلت روایت کے قائل ہوئے - یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے - اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آجتک چلی آتی ہے -

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں اُنسے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے - حدیث میں اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں - صحاح میں بجز ایک دو روایت کے ان کا نام تک نہیں پایا جاتا - سب سے زیادہ یہ کہ اُن کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے اُن کو کم تعلق تھا - اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں اُن کی نظر چنداں وسیع نہ تھی - امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے انکی تصنیف

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی - ترجمہ علامہ طبری [2] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۶۵ - ۱۲

یا روایتوں کا مدوّن نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ کے اقوال و افعال سے جس قدر واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں اُن کی روایت سے جسقدر صحیح حدیثیں ہیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہیں کون شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے بعد عمر فاروق کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں[1] جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں حضرت عثمانؓ اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے بخلاف اُن کے حضرت ابو ہریرہ سے ۵۳۴۶ - انس سے ۲۲۸۶ - عبد اللہ بن عباس سے ۲۲۶۰ - جابر سے ۱۵۴۰ - عبداللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑیگا یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا یا دانستہ اُن کو رسول اللہ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی وما شاعن ذالک یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنے ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں۔ امام شافعی جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل - اسحٰق بن راہویہ - ابو ثور حمیدی - ابو زرعہ الرازی ابوحاتم نے حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے اُن کی سند سے صحیحین میں ایک روایت بھی موجود نہیں بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے۔ صحیحین پر موقوف نہیں۔ ترمذی - ابو داؤد - ابن ماجہ نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اُس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجائش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول و عمل[2] ۔ اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو اُنکے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اُس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں واما الامام محمد بن اسمعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال فی باب محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنۃ اربع ومأتین ثم انہ ما ذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ کان قد روی شیئاً کثیراً من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ھذا الباب لذکرہ یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہی چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن اُن کو ضعفا کے باب[3] میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں

خلفاء اربعہ کی قلت روایت

بخاری مسلم نے امام شافعی کے واسطے سے کوئی حدیث روایت نہیں کی

جو شخص عمل کو ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں سمجھتا تھا امام بخاری اس سے روایت نہیں کرتے تھے

---

[1] مناقب الشافعی للامام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے مطابق ہے - اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس سے زیادہ تعداد نہیں پہنچی جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جاسکے ۱۲

[2] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲ [3] مناقب الشافعی للامام الرازی باب رابع ۱۲

ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور اُنکو ضعیف لکھتے - امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں اُنکا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا - اُن کی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی تو فرمایا حدیث ضعیف ورائے ضعیف "لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کرسکتے ہیں وہ دقت نظر - قوت استنباط - استخراج مسائل تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں داخل ہیں - علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری - قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے اُن کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ اُن پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے [۵] اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں -

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ اور اُنکے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا - اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے شہرت عام کے مقابلے میں تحقیق کی پروا نہ کی -

اس بحث کے تصفیہ کیلئے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا - جہانتک ہم کو علم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو یہ امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے - رائے کا لفظ اُنکے نام کا جزو بنگیا ہے اور تاریخ اور اسماء الرجال میں ہمیشہ اُن کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے - یہ مشہور محدث اور فقیہہ تھے اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُس کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے وہ تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے اُن سے احتجاج کیا ہے عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا -

اہل الرائے کی تحقیق ربیعۃ الرائے

اسی زمانہ میں اور اُس کے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں - ابن ابی لیلیٰ - ابو حنیفہ ربیعۃ الرائے - زفر - اوزاعی - سفیان ثوری - مالک بن انس - ابو یوسف قاضی - محمد بن حسن" - ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورۂ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں لیکن امام مالک سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس و تدریس میں مشغول تھے ان میں دو فرقے قائم ہوگئے تھے ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے کرتے تھے یہانتک کہ اُنکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا - دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا - امام مالک سفیان ثوری اوزاعی اس لئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے - لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات

محدثین میں دو گروہ تھے -

[۵] تاریخ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲

حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اس لئے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا۔ امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحییٰ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ "رائے"، نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر عمل نہیں کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابوحنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں۔ نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے۔[51]

امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے جب اُس کی تدوین کی طرف توجہ کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جن میں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اس لئے اُنکو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا۔ خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اُسکے مطابق فتوے دیتے تھے (اس کا مفصل بیان آگے آئیگا) لیکن اُسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اُسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے ان اسباب نے اُنکو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی چنانچہ تاریخوں میں جہاں اُن کا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے امام ابوحنیفہ نے اس کی ابتدا کی اور اُس کے اصول و قواعد منضبط کئے اُنھوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں اسلیئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا۔

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا اس بحث کے فیصلے کیلئے اُن کی علمی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہیئے تو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں۔ اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات اُن کی کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دارمدار ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے۔ علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں سیکھی ہوں۔ جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو جسکے اساتذہ حدیث عطا بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحٰق السبیعی سلیمان بن یسار عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج منصور المعتمر ہشام بن عروہ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایت سے بخاری و مسلم مالامال ہیں وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا؟[52]

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں

---

[51] عقود الجمان خاتمہ فصل اول ١٢

[52] ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام جنکی جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے - یزید بن ہارون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے وکیع بن الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد روایت میں میں نے انکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا - عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث میں امیرالمومنین تسلیم کئے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جن کو علی بن المدینی (استاد بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں ان کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر ان کو فخر و ناز تھا - عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا[۱] - وکیع اور یحییٰ ابن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے -

اجتہاد کی شروط اور امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا -

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً - بغوی - رافعی - علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے کہ مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن - حدیث - مذاہب سلف - لغت - قیاس ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو - یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں جو حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے - سلف کے جو اقوال ہیں - قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے جانتا ہو اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اسکو تقلید کرنی چاہیئے[۲]

اسی بناپر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ بعض نا انصاف متعصبین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے اسلئے اُن کی روایتیں کم ہیں لیکن یہ خیال غلط ہے ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا - کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے اسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اس سے بحث کی جاتی ہے[۳] علامہ موصوف نے اس کا سبب بھی بتایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے -

محدثین میں بھی اکثروں نے اس کا اعتراف کیا ہے - علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں - حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق و تضعیف و تصحیح و تزئیف میں رجوع کیا جاتا ہے - علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آ گیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے اُن کو حفاظ حدیث میں اسلئے ذکر نہیں کیا کہ

---

[۱] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [۲] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲

[۳] تعجب ہے کہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جس کو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

وہ قلیل الحدیث تھے امام ابوحنیفہ کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامۂ ذہبی نے اس کتاب میں اُن کا ترجمہ لکھا ہے اور اُن کو حفاظ حدیث سے شمار کیا ہے۔

محدث ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے

حافظ ابو المحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین یعنی تئیسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ تھے" قاضی ابو یوسف صاحب جن کو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے تھے اور علامۂ ذہبی نے اُن کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے اُن کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے جب اُن کی رائے قائم ہو جاتی تھی تو میں حلقۂ درس سے اٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا اور اُن سے اُس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب اُن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے اور بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اُس کا عالم ہوں[۵۱]۔

یہ تمام باتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر اُنکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو بعض ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے۔ اگر اُنہوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے یعنے احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام اُن کے مراتب کی تفریق امام ابوحنیفہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہوگیا جس کے متعلق سینکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اسقدر ترقی کر گیا ہے کہ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور وقت نظر نے سینکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے لیکن تنقید احادیث اصول درایت امتیاز مراتب میں امام ابوحنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اُس سے آگے نہیں بڑھتا۔

اس اجمال کی تفصیل اُس وقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور کس کس دور میں اُسکی کیا کیا حالتیں بدلیں اسی سے اس بات کا اندازہ ہوسکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد رائے کا کس قدر کام ہے اور امام ابوحنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمعصروں میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہوچکا تھا۔ لیکن اُسوقت تک جس قدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پُر آشوب زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف۔ تکلیف مالا یطاق سے کم نہ تھی۔ نمازیں بھی مختصر تھیں یعنی ظہر عصر عشا سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ جمعہ و عیدین سرے سے مامور بہ نہ تھے ۲ھ میں یعنی نبوت سے تیرھویں برس روزے فرض ہوئے۔ زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے

[۵۱] عقود الجمان ۱۲

لکھا ہے کہ ۹ھ میں فرض ہوئی حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا نہ اور احکام صادر ہوئے تھے نہ اُنکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں صحابہ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش و جستجو نہیں کرتے تھے خود قرآن میں حکم آچکا تھا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم۔

سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ

عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا تمام زمانہ نبوت میں صرف تیرہ مسئلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[۵۱]،، اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے اُن میں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ و روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ حدیثوں کے قلمبند کرنے کی اجازت نہ تھی۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئا الا القرآن و من کتب عنی شیئا غیر القرآن فلیمحہ رسول اللہ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمیں شروع ہوگئیں اور اُن کی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہوسکی حضرت عمر نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کردے صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[۵۲] ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا چلتے وقت اُن سے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں۔ لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[۵۳] اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے خود انکی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ " جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں،، لوگوں نے کہا تکرمۃ علینا یعنی ہماری عزت افزائی کے لئے،، فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں تم انکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمر نے منع کیا ہے[۵۴] حضرت ابو ہریرہ سے ابو سلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اسطرح حدیثیں روایت کرتے تھے بولے کہ نہیں ورنہ عمر درے مارتے[۵۵]۔

حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس تک رہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے ان اسباب نے حدیث اور روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی۔ حضرت عثمان کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت شروع

---

۵۱ مسند دارمی ۱۲ ۵۲ طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر ۱۲ ۵۳ مسند دارمی ۱۲ ۵۴ طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲

۵۵ طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲

ہی سے یہ آشوب ہی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ بشیر نے کہا ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے فرمایا کہ ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف اُن حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں لے

حدیثوں کا وضع کیا جانا

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسیطرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباس نے حضرت علی کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث و روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہدیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اُسی قدر اُن کی قدر اور اُنکی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نو مسلموں کو ادہر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا اُدہر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی ان باتوں نے اُنکو معلومات مذہبی کا اسقدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب اُن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سینکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا ان اسباب سے روایتوں میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۲۹۷ حدیثیں ہیں اُس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں، سینکڑوں

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں

ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں

ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ[۵۱] نے وضع کرلیں - عبد الکریم وضّاع نے خود تسلیم کرلیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اُسکی موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورّع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پاگئیں -

وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیاں بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہوگئے - بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کردیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور اُن کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے اُن کی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں وکذا کان الزھری[۵۲] یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جنسے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے" وکیع کا بھی یہی حال تھا - وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں -

بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے - اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کردیا تھا انکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے -

غرض امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہوچکا تھا ہزاروں موضوعات اغالیط ضعاف مدرجات سے بھرا ہوا تھا - اُسوقت امام بخاری و مسلم نہ تھے - جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے امام ابوحنیفہ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے تاہم اُنھوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اُس کے اصول و ضوابط قرار دیئے اُن کے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں یہانتک کہ محدثین نے اُنکو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے - تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں - والامام ابوحنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل یعنی امام ابوحنیفہ کی روایتیں اسلئے کم ہیں کہ اُنھوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی کی حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثیں صحیح ہیں

بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہو یہ صدا اگرچہ جدت کیوجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے - اُنھوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے اور اُن کے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی - کوفہ - بصرہ - حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربے سے اُنکے ذاتی اوصاف اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی غرض اس سلسلہ

[۵۱] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸-۱۲ [۵۲] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸-۲

کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنیکے لئے جو شرطیں درکار تھیں سب اُن میں موجود تھیں۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں انکے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ میں انکے خاندان تعلیم کے مورث اوّل عبداللہ بن مسعود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات و استنباط پر ہے عبداللہ بن مسعود اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہی تھی کہ وہ متشدّد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی اُن کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ وکان یقل من الروایۃ للحدیث یعنی عبداللہ بن مسعود ادا میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے اور حدیث کی کم روایت کرتے تھے،، ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابو حنیفہ کے بہ یک واسطہ اُستاد تھے اُن کا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ سیر فی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن اُن کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز............ یہی خاندانی اثر تھا جس نے اُن کے دلمیں یہ خیال پیدا کیا اور اُسکو اُن کے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام مالک و امام ابو حنیفہ کی شرائط روایت قریب قریب متحد ہیں

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابو حنیفہ سے متاخر ہیں اُن کے اُصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیود اور شرطیں لگائی ہیں وہ امام ابو حنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ میں امام ابو حنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ومن مذاهب التشدد مذهب من قال لا حجة الا فيما رواه الراوي من حفظه وتذكره وذالك مروي عن مالك وابي حنيفة. یعنی متشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنے حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابو حنیفہ سے منقول ہے،، محدثین نے لکھا ہے۔ کہ امام مالک نے جب مؤطا لکھی تو اُس میں دس ہزار حدیثیں تھیں۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہانتک کہ چھ سات سو رہ گئیں امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابو حنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوا دیجئے جو رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابوبکر صدیق نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے عمر بن الخطاب باوجود اس کے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے اُن کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں۔ حضرت عثمان کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علی اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن ان سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں رہتے اُن سے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی ہیں ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں[۵]،، ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ معتزلیوں کی طرح احادیث کے

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں بہت کم ہیں۔

[۵] مناقب الشافعی از امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲

منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے اُن کے شاگردوں نے خود اُن سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں مؤطا امام محمد ۔ کتاب الآثار کتاب الحجج ۔ جو عام طور پر متداول ہیں ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں ۔ البتہ محدثین کی نسبت اُن کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے اور اسکی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے ۔

امام صاحب نے روایت کے لئے کیا شرطیں مقرر کیں

امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جنمیں وہ منفرد ہیں یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین اُنکے ہمزبان ہیں اُنمیں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ "صرف وہ حدیث حجت ہے جس کو راوی نے اپنے کانوں سے سُنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو" یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اسکی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو اُن سے اتفاق نہیں ہے ۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے ہم کو بھی انکار نہیں لیکن اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے یا روایت کی وسعت ۔ ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا ۔

اکثر شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے ۔ اس وقت متعدد مستملی یعنی نائب جابجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا ۔ وہ صرف مستملی کے الفاظ سنکر حدیث روایت کرتے تھے اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے ۔ امام ابو حنیفہ اس کے مخالف ہیں ائمہ محدثین میں سے حافظ ابو نعیم فضل بن دکین ۔ زائدہ بن قدامہ ۔ امام صاحب کے ہمزبان ہیں[1] حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل یہی (امام ابو حنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے "[2]

امام ابو حنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اُن کے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلئے روایت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ میں اُس کا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا بے شبہہ مستملی کے مقرر کرنیکا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چل سکتا تھا لیکن نا انصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دیا جاوے مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اس لئے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا ۔

اخبرنا و حدثنا کے مفہوم کی وسعت

اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے ۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں لکھا ہے حدثنا ابو ہریرۃ حالانکہ وہ ابو ہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے اُنھوں نے اس کی یہ تاویل کی تھی کہ ابو ہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں وہ موجود تھے ۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸ - ۱۲ [2] فتح المغیث صفحہ ۱۱۸ - ۱۲

کہ اُن کے شہر والوں نے اُن شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُن کی قوم نے وہ حدیث اُن لوگوں سے سُنی تھی[۵۱] یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اسکا نام نہیں بتایا اسلئے اُس کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور اُنکے بعد ائمہ حدیث نے بھی اُن کی متابعت کی۔

اجزاء سے روایت

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کر لیں تو اِن اجزاء سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کو اسقدر وسعت دی گئی کہ گو راوی کو اُن حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزاء اُس کے پاس موجود ہیں اُن کی روایت کر سکتا ہے امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اس کی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اُسوقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں اسلئے اگر راوی کو الفاظ حدیث موقع حدیث۔ شان نزول وغیرہ یاد نہیں ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریبًا ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعًا قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔

روایت بالمعنی

امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سُنی جس کو سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ اُنھوں نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں[۵۲] اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اسپر عمل کرتے تھے بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں عبد اللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے او مثلہ او نحوہ او شبیہ بہ او فوق ذلک او ادون ذلک او قریب من ذلک یعنی رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے قریب فرمایا تھا۔ ابو درداء کا بھی یہی حال تھا۔ وہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے۔ ہذا او نحوہ او شکلہ[۵۳] حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت سے منع کیا کرتے تھے اُن کا بھی غالبًا یہی منشاء تھا وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

روایت بالمعنی میں صحابہ کی احتیاط

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابو حنیفہ کے اُستاد الاستاد

[۵۱] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱-۱۲ [۵۲] فتح المغیث ۱۲

روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اسپر اتفاق عام ہوگیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے مجتہدین میں سے صرف امام مالک اس کے خلاف ہیں۔

محدثین کا ایک گروہ جنہیں امام مسلم قاسم بن محمد محمد بن سیرین۔ رجا بن حیوٰۃ۔ ابوزرعہ سالم بن ابی الجعد عبدالملک بن عمر داخل ہیں روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جائے تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل واحکام کیلئے کچھ باقی نہیں رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریبًا ناممکن ہے زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ اور ادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ ومطالب کا اندازہ دان نہیں ہو سکتا تھا اول تو وہ زبان دان اور زبان کے حاکم تھے اس کے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز ادا۔ طریقہ گفتگو۔ انداز کلام فحوائے سخن سے خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث میں اسکی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہوگئی۔

صحابہ سے ادائے مطلب میں جو کمی یا زیادتی ہوگئی اس کی مثالیں

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصرہ واجبلاہ یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے" کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں لیکن اُن کو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی اُس کے گھر والے اُس پر روتے تھے۔ آنحضرت نے سُنا تو فرمایا کہ اُسکے گھر والے رو رہے ہیں اور اُس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لا تزر وازرۃ وزر اخری جس سے اس بات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ گھر والے روتے ہیں تو انکا قصور ہے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُسپر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے رونے کو اس کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونیکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ہل وجدتم ما فعل ربکم حقا۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جو میں نے کہا ان لوگوں نے سُن لیا لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے بیان کیا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق[۱] یعنے ان لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی وہ حق ہے دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کسقدر فرق ہے اور اس سے سماع موتیٰ کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر

[۱] تاریخ کبیر علامہ ابوجعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۲۲-۲-

پڑتا ہے۔ غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے دور کا کیا ذکر ہے۔
لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں اُنھوں نے چند الفاظ مثلاً بتائے ہیں کہ "ان کو دوسرے
لفظوں میں اس طرح ادا کر سکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا،، حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان لفظوں کے
اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب
اب بجائے اس کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلہما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف
نے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ
ہے لیکن اس میں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو امر میں ہے۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابو حنیفہ کے اصول

امام ابو حنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا جو حدیثیں اُن کے زمانہ سے
پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں اُنکے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر
بیکار ہو جاتا اس لئے امام صاحب نے اُن حدیثوں کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی کہ رواۃ حدیث فقیہہ
ہوں یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں" تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن
احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کر دی ہے) ظن غالب پر ہے اس لئے جبتک کوئی مخالف دلیل موجود
نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے اُن احادیث کو بھی قبول کیا جن کے رواۃ ثقہ ہوں اور
فقیہہ نہ ہوں لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور ان میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی امام
صاحب کے اِن اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا الفیۃ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح
نہیں سمجھتا اُس کو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ داں ہے اُس کی نسبت اختلاف
ہے کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں" لیکن امام ابو حنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور
تابعین تک محدود کر دیا اور لوگوں کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی اور امام طحاوی نے بسند متصل اُن سے
روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیئے جو روایت کرنے کے وقت اسی طرح یاد ہو جس طرح سننے
کے وقت یاد تھی۔ ملا علی[ف۲] قاری اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ روایت
بالمعنی کو جائز نہیں رکھتے تھے" اس پابندی میں امام مالک اور بعض محدثین نے اگرچہ امام ابو حنیفہ سے اتفاق کیا۔
فتح المغیث میں ہے وقیل لا تجوز له الروایۃ بالمعنی مطلقاً قالہ طائفۃ من المحدثین والفقہاء والاصولیین من الشافعیۃ
وغیرہم قال القرطبی وہو الصحیح من مذہب[ف۱] مالک۔ لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے
چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایۃ ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے کہ جو
اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر اللہ امرأ سمع
منا شیئا فبلغہ کما سمعہ یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اُس شخص کو شاداب کرے جس نے ہم سے کچھ سنا اور اُسکو اسی
طرح پہنچایا جیسا کہ ہم سے سنا تھا" اس سے زیادہ اس باب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے صحابہ میں سے

ف۱ یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین وفقہا و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے اور
قرطبی نے کہا کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۱۲ ف۲ شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری ۱۲-۱۲

جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث اُنکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انہوں نے اُس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ کے پابند تھے امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اس لئے اُنکو اُس کی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اصول درایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کئے اور اُنکو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علماء نے جسقدر توجہ کی اُسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں ملسکتی لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں لیکن وہ اسقدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں۔ اصول حدیث ایک مستقل فن بنگیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس فن میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں لیکن اُن سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزاء ہیں یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اُس وقت اُنکی نگاہ ان باریک نکتوں پر پہنچی۔ بے شبہہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کے لئے دلیل راہ ہے لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی کم اور ناپید تھیں کہ انپر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔

روایات کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کیجاتی ہے اُسکے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا حدیث میں بھی اسکی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اسلئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بناء پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اُس پر غور کیجائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضاء زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اُس کی صحت بھی مشتبہ ہوگی۔ یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں[1] کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے اُس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن حدیث متواتر اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو یا جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں "

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں کل حدیث رأیتہ یخالف العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس و المشاہدۃ او مباینا لنص الکتاب والسنۃ المتواترۃ والاجماع القطعی حیث لا یقبل شیئ من ذلک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وہذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ

امام ابوحنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے اُن میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[۱]۔ یہ وہی قاعدہ ہے جسکو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے۔ اس وقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہوگیا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے تھے امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھیں تو وہ اُن سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اُصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں داخل کرلیا گیا لیکن ارباب روایت نے اس کو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخراف اور دوراز کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلک الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے (سورۂ نجم کی تلاوت کے وقت) بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔ یعنی یہ بُت بہت معزز ہیں اور ان کی شفاعت کی اُمید کی جاسکتی ہے" اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان میں ڈالدیئے تھے۔ چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیلؑ آئے اور اُنھوں نے یہ شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے تھے آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا۔ لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی نامور محدث نہیں گزرا۔ وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اس لئے اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح رد الشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کی نماز عصر قضا ہوگئی تھی اس لئے آنحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرأت کرکے موضوع کہا۔ لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی امام صاحب کے زمانے میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وسیع معنی نہیں ہیں جو آجکل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں جنکی رُو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوئے جاتے ہیں۔

(۲) جو واقعات کل لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں اُنکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتے تھے اُنکے متعلق جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اُس کی ضرورت تمام لوگوں سے متعلق تھی۔ اسلئے صرف ایک آدھ شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

مخالفت قیاس

اکثر مفسرین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اس روایت کو قبول نہیں کرتے تھے جو قیاس کے مخالف ہو اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے۔ لیکن اسکی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہوگئیں۔ ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصد و منشا

[۱] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے بمقدمہ تاریخ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

پر کافی غور نہیں کی اور عام رائے قائم کرلی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔

امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوے کے خلاف ہیں مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے حدیث واثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے امام محمد اس بحث میں کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ لولاما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اہل المدینۃ ولاکن لاقیاس مع اثر ولاینبغی الا ان ینقاد الآثار یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہیں اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیئے لہٰذا اس سے زیادہ اس باب میں کیا تصریح ہوسکتی ہے۔ عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابو حنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا۔ امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اسمیں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھ کر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعویٰ کیا کہ "جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اُس کو امام صاحب قبول نہیں کرتے" عبد الکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابو حنیفہ اور اُن کے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اسکی جابجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کئے ہیں۔

میں نے بہت کچھ جد وجہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ مل سکا۔ جن لوگوں نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کرسکتے۔ بیشبہ حنفیوں کے اصول فقہ میں یہ مسئلہ [illegible] حدیث [illegible] فقیہ ہوں اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں لیکن یہ حنفیوں کا متفقہ اصول نہیں ہے۔ بلکہ صرف عیسٰی ابن ابان اور اُن کے پیرووں کی رائے ہے۔ ابو الحسن کرخی وغیرہ صریح اس کے مخالف ہیں اور صاحب مسلم الثبوت نے اس قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابو حنیفہ کی طرف یہ دعویٰ صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے حنفیہ میں سے چند علماء اسکے قائل ہیں بہت بڑی مثال بیع مصراۃ کی پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1] لیکن ان مدعیوں کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب سے اُسکو کچھ واسطہ نہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابو حنیفہ کا نام نہیں لیا بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی اُن کو معذور نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ رائے بعض حنفیوں کی ہے نہ سب کی۔ امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں۔

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابو حنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا۔ بلکہ اُس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علماء یہاں تک کہ امام غزالی۔ امام رازی نے بھی امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲

امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب لکھکر لکھتے ہیں وذھبوا الی ان ما روی عن رسول اللہ فی ذالک مما تقدم ذکرنالہ فی ھذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیئے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ اُن سے ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے۔ اس لئے ہم کو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اُصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں بخلاف اس کے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھاپی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ما جاء فی ھذا من الاثر لامرت بالقضا یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا[1]۔

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے تھے

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جبتک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو اُنکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا لیکن اُنکے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور بے شبہہ ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہوگئے تھے ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیا عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اُسکے اشارے پائے جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنکی مصلحت ہمکو معلوم نہیں۔ لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں۔ اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کئے۔ بعض لوگ جب کسی حدیث کو سُنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یا نہیں۔ اگر اُن کے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر اُنکو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی اور بے تکلف اُس حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔ دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا۔ یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ او عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کیطرف مائل ہوتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ

قیاس کے ایک اور معنی

[1] کتاب الحج امام محمد ۱۲۔

راوی فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔ موقع حدیث کیا تھا کون لوگ مخاطب تھے کیا حالت تھی۔ غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہوچکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہؐ سے حدیث روایت کی کہ توضؤا مما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کردیا ہو اُسکے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے بولے کہ اتوضأ من الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے،، ابوہریرہ نے کہا اے برادر زادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اُس پر مثالیں نہ کہو،، لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ جو اعتراض کیا تھا اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استقصا اس موقعہ پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرسکتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی بےنظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی ووافی ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ضروری ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی عزالدین عبدالسلام شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابوحنیفہ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اُصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اُصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے اُن کی اصطلاح میں یہ ایک علّت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جس کی یہ تعریف ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اُس کو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے اُستاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے اُن کا قول ہے کہ ھی الھام ولو قلت للقیم بالعلل من این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ یعنی یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اُسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کرسکتا۔ محدث ابوحاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں اُنھوں نے بعض کو مدرج بعض کو باطل بعض کو منکر بعض کو صحیح بتایا پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کیا راوی نے آپ کو ان باتوں کی اطلاع دی؟ ابوحاتم نے کہا نہیں! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں۔ ابوحاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو اگر وہ میرے ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا۔ سائل نے ابوزرعہ سے وہ حدیثیں

لہ فتح المغیث صفحہ ۹۰۔ ۱۲

جاکر دریافت کیں اُنہوں نے ابو حاتم کی موافقت کی تب سائل کو تسکین ہوئی[۵۱]

بعض محدثین کا قول ہے اثر یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم یعنی وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اُسکو رد نہیں کرسکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہوسکتا۔ محدثین کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے بلاشبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہوجاتا ہے جس سے خود تمیز ہوجاتی ہے کہ یہ قول رسول کا ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل اور اُنکے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقراء سے ایسا ذوق حاصل ہوسکتا ہے جس سے یہ تمیز ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہیں۔ لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ نے بعض حدیثوں کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی اور بعضونکو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بناپر رد کرتے ہیں لیکن انصاف پسند انصاف کرسکتا ہے۔ کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہوجاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جسمیں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں رد کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے دقت نظر و نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے البتہ یہ نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہوسکتا ہے جو بہت بڑا عالم۔ مجتہد۔ محدث۔ دقیقہ بین۔ مؤید بتائید الٰہی ہو لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابو حنیفہ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابو حنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہوسکتی قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حدیث اور قرآن میں اصل ہونے کے لحاظ سے توچنداں فرق نہیں وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو۔ جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث اُسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انہیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے محدثین نے حدیث کی قسمیں کی ہیں یعنی صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ مشہور۔ عزیز۔ غریب وغیرہ اُنکے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو قریبًا یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل ان کا فرض نہ تھا لیکن امام ابو حنیفہ کو تدوین فقہ کیوجہ سے جسکے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق

متواتر

اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی اُنہوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں (۱) متواتر یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقۂ روایت میں اس کثرت سے ہوں جن کے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہوسکتا۔ یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو۔ اسیطرح ان لوگوں سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ روایت

[۵۱] فتح المغیث ۔ ۹۸ ۔ ۱۲

مشہور

احاد

کرتے آئے ہوں (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقۂ روایت میں تو بہت نہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے مشروط ہے (۳) احاد جو متواتر اور مشہور نہو اس تقسیم کا اثر اُن کی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور یکفیت ثابت ہو سکتی ہے۔ مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اسلئے فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے اسی طرح اسسے زیادہ اس سے علی الکتاب ہو سکتی ہے احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسلئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتی یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضع اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض محدثین اس کے مخالف ہیں۔ امام بیہقیؒ وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں جو امام شافعیؒ اور امام محمدؒ میں واقع ہوئے اور جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کو بند کر دیا اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں جن کا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہؒ اور اُنکے تلامذہ اسکے پابند نہ رہ سکے شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہو سکتی امام محمدؒ نے کہا ہاں امام شافعیؒ نے کہا کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ للوارث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں غالبًا شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعیؒ سے لی ہے جس میں اور بھی بے سروپا روایتیں مذکور ہیں۔ لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریت کے احکام ہیں یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)

ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہو گئی ہیں جنکی تفصیل ہم نہیں کر سکتے۔ لیکن اخبار احاد کی بحث اور اس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو ہم اس موقعہ پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں اُن سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے جس کے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہیں اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام اقسام کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے اُنہوں نے صحیح حدیث کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جس پر بخاری ومسلم دونوں متفق ہوں (۲) بخاری متفرد ہوں (۳) مسلم متفرد ہوں (۴) بخاری ومسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو لیکن انکی شرطوں کے موافق ہو (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری ومسلم کی شرط کے موافق نہ ہو۔ لیکن اور محدثین نے اُسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری واقع بہ متفردات بخاری اور مسلم کی نسبت اُنکی رائے ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں بجز ان چند حدیثوں کے جنپر دارقطنی وغیرہ نے

جرح کی ہے ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آجکل زیادہ رواج پا گیا ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے اور خود آئمہ حدیث اس کے مخالف ہیں علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کرکے لکھتے ہیں وهذا الذی ذکره الشیخ فی هذه المواضع خلاف ما قاله المحققون والاکثرون فانهم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترة انما تفید الظن فانها احاد والاحاد انما تفید الظن علی تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرهما فی ذلك یعنی شیخ ابن الصلاح نے ان مواقع پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں صرف ظن کی مفید ہیں کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ انسے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس باب میں بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے رد کرنا نہیں چاہتے ہم کو خود غور کرنا چاہیئے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

احادیث کے ظنی الثبوت ہونیکی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ درحقیقت چند ضمنی دعووں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ کہ روایت متصل ہے اسکے رواۃ ثقہ ہیں ضابطۃ القلب ہیں روایت میں شذوذ نہیں ہے کوئی علت قادحہ نہیں ہے یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں جن پر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرکے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اسکی صحت یقینی نہیں ہوتی کیوں کہ استنباط میں جن مقدمات سے کام لیا ہے اکثر اُسکے ظنیات ہیں اسی طرح حدیث کا حال ہے کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے اور دوسرا شخص اس کی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق قواعد استنباط طریق روایت غرض اُن کے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسی نکتہ کی طرف امام ابوحنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ هذا الذی نحن فیه رأی لا نجبر علیه احدا ولا نقول یجب علی احد قبوله بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن ان کو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

احادیث کے ظنی الثبوت ہونیکی تحقیق

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں باہم اختلاف ہوتا ہے ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند واجب العمل قرار دیتا ہے دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثونکو موضوع لکھدیا علامہ سخاوی لکھتے ہیں بل ربما ادرج فیها الحسن والصحیح مما هو فی احد الصحیحین فضلا عن غیرهما یعنی ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے دوسری کتابوں کا کیا ذکر۔

بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جس کا حاصل اسی قدر ہے کہ انہوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اجتہاد کو غلط تسلیم کیا ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہیں انمیں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں صحابہ کے ان الفاظ کو "یہ امر سنت ہے"، "ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا ہم اس بات سے روکے گئے تھے"، "رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے یا ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے" اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضوں نے یہانتک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے انکو لفظوں سے روایت کردیا کہ رسول اللہ نے فرمایا حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے فھم الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں اسی بنا پر بعض علماء نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ رفع واتصال کیلئے کافی نہیں ہیں امام شافعی ابن حزم ظاہری ابوبکر رازی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے" حدیث مرفوع نہیں قرار دیا کتب سیر و احادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جنمیں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کئے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود ان کا قیاس و اجتہاد تھا لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اس کی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث روایت کردی جس کی وجہ سے ایک عام شبہ پیدا ہو گیا۔

معنعن روایتیں

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں۔ امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزمان اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ انہیں کے طریقے کے پیرو تھے تاہم انہوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[۵]۔ اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن میں لقا نہیں ثابت ہے مقطوع ہے حالانکہ امام مسلم ان کو متصل سمجھتے ہیں اور اس پر ان کو یہانتک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہمزمان اور باہم لقا ہوں تو ان کی روایتیں ہمیشہ بالذات ہوں جہاں حدثنا اور اخبرنا ہوگا وہاں ایسا ہونا البتہ ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہو گا لیکن یقینی نہ ہوگا۔ حدیث و سیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں ملاقات بھی تھی تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں بواسطہ کیں روزمرہ کے تجربوں میں اسکی سینکڑوں شہادتیں ملتی ہیں۔

رجال تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار احادیث تمام تر مدار رجال پر ہے لیکن رجال کی

---

[۵] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲۔

تنقید و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ نہایت متدین نہایت درستباز سمجھتے ہیں اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ غیر ثقہ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس تبہ کے ہوتے ہیں جن کی عظمت و شان سے انکار نہیں کیا جا سکتا امام بخاری و مسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں تاہم بہت سی رواۃ ہیں جن کو ان دونوں میں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہیں سمجھتا۔ علامہ نووی نے مقدمہ صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگونکی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں اُن سے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا۔ کسی شخص کے اُن تمام اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جن کا اثر رواۃ کی قوت و ضعف پر پڑسکتا ہے مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے جو لوگ جرح و تعدیل کے کام میں مصروف تھے سینکڑوں ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے اسی لئے مختلف قرائن ظاہری آثار۔ عام شہرت۔ سمعی روایتوں سے کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا اگرچہ محدثین نے ان متعارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دیئے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے۔ جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے لیکن بہت سی رواۃ ہیں جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی محمد بن بشار المصری۔ احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولی ابن عباس کی نسبت مفصل جرحیں موجود ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور انکی رایوں میں اسقدر اختلاف ہوتا ہے جس سے سخت تعجب ہوتا ہے۔ جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہے جس کو دعوی تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اسکی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کی یہ رائیں ہیں۔

سفیان کا قول ہے کہ میں نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جابرؓ جب اخبرنا وحدثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے تو میں تم میں گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو لیکن اس بات میں کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں اسکے مقابلہ میں اور ائمہ فن کی رائیں ہیں جس کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہے۔ کذاب ہے وضاع ہے چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جاسکتے تھے ان کا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا اسلئے اس پر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی +

ان امور کے بعد تعدد معنی کی بحث باقی رہتی ہے مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہے لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے

ادائے مطلب

ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی؟ چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کیگئی ہیں اسلئے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہو جاتی ہے صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور ان کی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ مجکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ مل سکا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو عمار موجود تھے انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو" یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمار نے کہا کہ اگر آپ کی مرضی نہو تو یہ حدیث نہ روایت کیا کروں"

اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر رد و قدح کرتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں انہیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہو گئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا ان کے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ہوں اور انقطاع و شذوذ و علت نہو بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں رکھتے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور ان کی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے انہوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہر بینوں کی طرح خوش اعتقادی سے اس کی قطعیت تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن مسعودؓ نے متعدد موقعوں پر

خبر واحد قطعی نہ تھا

خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ سے روایۃ کی کہ لا سکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرءۃ لا ندری صدقت ام کذبت یعنی ہم ایک عورت کی روایت کی بنا پر جس کی

خبر واحد میں صحابہ نے شک کیا ہے

نسبت معلوم نہیں کہ اس نے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہیں سکتے فقہی احکام میں اس قاعدہ متعدد تفریعیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اسلئے وجوب سنت استحباب ثابت ہو سکتا ہے اسی بنا پر نماز میں قرأت فاتحہ کو امام شافعیؒ فرض سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ واجب۔ اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جس نے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا امام صاحب نے مذکورۂ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں ان کے خلاف اخبار احاد قابل اعتبار نہیں مثلاً انبیاء کی عصمت اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے اس کے بخلاف

جن روایتوں سے انبیاء کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے اُصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ اُلٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب العلم میں لکھا ہے کان من مذھب الامام ابی حنیفۃ فی اخبار احاد ان لا یقبل منہا المخالف للاصول المجمع علیہا فانکر علیہ اصحاب الحدیث فافرطوا یعنی اخبار احاد میں امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ جو اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں اسپر اصحاب حدیث نے اُن کی مخالفت کی افراط کو پہنچا دیا۔

محدثین اور امام ابو حنیفہؒ کے اصول میں عملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اُسکی صحت کو تسلیم کرکے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہیں ہے اسلئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے ما کذب ابراھیم الا ثلث کذبات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں انکو کاذب کیونکر کہا جائے میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے اور غلط تسلیم کریں تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے،، امام رازی کا استدلال امام ابو حنیفہ رح کے اسی خیال پر مبنی ہے یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے۔ اسلئے خبر واحد اسکے متعارض نہیں ہوسکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں اس استدلال کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جب رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کو بہر حال صحیح ماننا چاہیئے اسی اصول پر امام صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورت کے شروع میں جزو قرآن نہیں ہے امام شافعیؒ اور بعض محدثین اسکے خلاف ہیں اور سند میں چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے اخبار احاد سے قرآن نہیں ثابت ہوسکتا اسی طرح امام صاحب کے اُصول کے مطابق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں جنمیں عبد اللہ بن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تاویل سے کام لینا چاہیئے لیکن تاویل کیا ہوسکتی ہے۔ خدانخواستہ یا تو ماننا پڑیگا کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں۔ یا تواتر کا اعتبار بہ گھٹانا ہوگا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اُس سے واقف ہونا ضرور نہو امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اسقدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اُسکو رہنا چاہیئے بخلاف اس کے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اُسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہجاتی ہے مثلاً یہ مسلمہ اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید اور نبوت کا قائل ہے اور دل سے اسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے اب اسکے مقابلہ میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں اور جن میں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے کچھ اثر نہیں پیدا کرسکتیں۔ اسی بنا پر امام صاحب

لے اس عبارت کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجواہر میں نقل کیا ہے ۱۲

معتزلہ قدریہ جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا کہ بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی دوزخی اعتبار نہیں کرتے تھے لیکن بہت سے ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ اُن کی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیے یہانتک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کر دیا اور سینکڑوں ہزاروں مسئلے کفر کے ایجاد کر دیئے جن کی تفصیل سے فقہ کی کتابیں مالا مال ہیں۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر حدیث فقہ مغازی۔ اُن کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جب تک اُنکو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص کی طرف منسوب نہیں ہوئے دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ اُن علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابو حنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اسلئے ہم اس پر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاصکر یہ کہ امام ابو حنیفہؒ نے جب اسکو پایا تو اُس کی کیا حالت تھی۔

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا التقاط ہمارے لئے کافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ رسول کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یہ واجب ہے یہ مستحب ہے صحابہ آپ کو دیکھکر وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن اُنھوں نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے اُن میں لوگ آنحضرتؐ سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اُس پر تحسین کی یا اُس سے نارضامندی ظاہر کی اس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمع میں ہوتے تھے۔ اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پہ متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہیں" اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جسقدر اعمال تھے سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے اُنپر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا اسلئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں اُنکا عین و اثر بھی نہ پایا گیا تھا

فقہ کی مختصر تاریخ

صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط تفریع حمل النظیر علی النظیر قیاس سے کام لینا پڑا ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے ان میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔ عمرؓ۔ علیؓ۔ عبداللہؓ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ حضرت علی و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں انکے مسائل و احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بن گیا جسطرح کہ حضرت عمرؓ و عبداللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دارالعلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

مجتہدین صحابہ

حضرت علی بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جسقدر انکو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونیکا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایت کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرتؐ سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ذہانت قوت استنباط بلکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمر کا عام قول تھا کہ خدا کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہوں" عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

حضرت علیؓ

عبداللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے۔ رسول اللہ کے ساتھ جسقدر جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے صحیح مسلم میں ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ میں) رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم انکو رسول اللہ کے اہلبیت سے گمان کرتے رہے عبداللہ بن مسعود کو دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کی نسبت وہ یہ جانتے ہوں کہ کس باب میں اُتری ہے وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اُسکے پاس سفر کر کے جاتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعوی کا منکر نہیں پایا۔ عبداللہ بن مسعود باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور اُن کی درسگاہ میں بہت تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جنمیں سے چند شخص یعنی اسود عبیدہ حارث علقمہ نہایت نامآور ہوئے علقمہ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عائشہؓ سعدؓ حذیفہؓ خالد بن ولیدؓ خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں خاص کر عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور اُنکے طور طریقہ کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اُس نے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

عبداللہ بن مسعود

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ اُنکو فقیہ العراق کا لقب ملا علم حدیث میں اُن کا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں اُن کی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو اُنسے زیادہ عالم اور فقیہ ہو اسپر

ابراہیم نخعی

ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے بصرہ کوفہ شام حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں رہا۔ ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کے فتاویٰ تھے یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا لیکن اُنکے شاگردوں کو اُسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے چنانچہ اُنکے مرنیکے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔

حماد نے سنہ ۱۲۰ہجری میں قضا کی اور لوگوں نے اُن کی جگہ امام ابو حنیفہؒ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتد بہ مسائل مدوّن ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اُصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا نہ قیاس اور تشبیہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اُسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لیئے بہت سے زینے باقی تھے تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابو حنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب انموذج القتال سے اس کا ایک قصہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے ایک اُنمیں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی۔ اُس نے دیدی یہ لے کر چلتا بنا دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اُس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی اُس نے عدالت میں استغاثہ کیا قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھیرایا کہ جب دونوں نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا حمامی گھبرایا ہوا امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا امام صاحب نے کہا کہ تم جاکر اُس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنیکے لئے تیار ہوں لیکن قاعدے کے موافق تنہا تم کو نہیں دے سکتا شریک کو لاؤ تو لیجاؤ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اُسکی ترتیب شروع کی۔

امام ابو حنیفہ فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال تقریباً سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا یعنی جب اُنکے اُستاد حماد نے وفات پائی یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اسقدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھی ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دلمیں خیال آیا ہوگا کہ ان جزئیات کو اصول کیساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے انکو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا اطراف بلاد سے ہر روز جو سینکڑوں ضروری استفتا آتے تھے اُن سے اُنکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کسقدر حاجت ہے۔ قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین اور ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیساکہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جس کے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک تھے

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پُرخطر کام تھا۔ اسلئے اُنہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اس غرض سے اُنہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص انتخاب کئے جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کیلئے ضروری تھے اُستاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ۔ حفص بن غیاث۔ قاضی ابو یوسف۔ داؤد الطائی۔ حبان۔ مندل۔ حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے قاسم بن معن اور امام محمدؒ کو ادب اور عربیت میں کمال تھا۔ امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔ امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہؒ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسف زفر داؤد الطائی اسد بن عمرو یوسف بن خالد التیمی یحییٰ بن ابی زائدہ امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے۔ لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع سے اس کام میں شریک تھے یحییٰ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں اُنکے سوا عافیہ ازدی ابو علی عزی علی مسہر قاسم بن معن حبان مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اُسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اُسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب بہت غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تُلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے اُسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے اس کا التزام تھا کہ جبتک تمام شرکائے جلسہ جمع نہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحٰق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا اس طرح تیس برس تک کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا امام صاحب کی اخیر عمر قیدخانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابو المحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ باب الصوم پھر عبادات کے اور ابواب اسکے بعد معاملات سب کے اخیر باب المیراث۔

اس مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اُسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے جس قدر اسکے اجزا رتیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی امام صاحب کا درسگاہ ایک قومی مدرسہ تھا اس کے طلبہ نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوئے

اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے اُن سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو ابو حنیفہؒ کی کتاب الرہن نکلی۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ رح کی کتابیں دیکھتے ہیں" بولے "کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں"[۵]

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اس وقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابو حنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں ان اصحاب الرای اظہر واامذاھبھم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار ولم یقدر احد منھم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے (ابو حنیفہ اور اُنکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہوئی کہ اُنکے قول پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہمکو زیادہ استقصار سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثناہی کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابو حنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جسکا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا۔

غالبًا یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جسقدر مسائل مدون کئے اُنکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے "شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہو لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اُن کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں اُنسے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اگرچہ اس میں کسی طرح شبہہ نہیں ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے رجال و تواریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اُس کا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں ہے امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام اوزاعی ابن جریج۔ ابن عروبہ حماد بن ابی معمر انکی تالیفات عین اُسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابو حنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابو حنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہے امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابو یوسف و امام محمد نے اُنہیں مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا اور ہر مسئلہ پر استدلال و براہین کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ اُنہیں کو رواج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح جسطرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فرا، کسائی، خلیل، اخفش۔ ابو عبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدوّن اوّل تھے۔

امام موصوف کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہو گیا۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں

[۵] عقود الجمان، باب عاشر ۱۲

جن کے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابو یوسف امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہائے حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ "ہم نے جو اقوال امام ابوحنیفہ کے خلاف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال تھے کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائیں ظاہر کی تھیں" یہ روایتیں شامی وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن اُن کا ثابت ہونا مشکل ہے ہمارے نزدیک یہ اُن فقہا کا حسن ظن ہے قاضی ابو یوسف اور امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور اُن کو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا اسلام کی ترقیاں اُسی وقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور اُستادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے عرب میں تو چند دن امام مالک کے مسائل کو رواج ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ اُنکے حریف مقابل موجود تھے لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جنکی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تھی عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان سندھ۔ کابل۔ بخارا وغیرہ میں تو اُنکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا اور اُسکے خاص سبب تھے۔ شمالی افریقہ میں سنہ ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام افریقہ پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے سنہ ۴۰۷ھ میں جب ملک کی مستقل حکومت قائم کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آج تک قائم ہے[1]

سلاطین اکثر حنفی تھے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی اُنکو خود دعویٰ اجتہاد تھا۔ اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ اُنکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم اُن میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا۔ اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ حنفی المذہب[2] تھا۔

عباسیہ کے تنزل کیساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوقی جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جنکے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی کا جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اُس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جس کا نام التفرید ہے اور جسمیں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں۔ نورالدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے وہ ہمارے ہیروز میں داخل ہے۔

بیت المقدس کی لڑائیوں میں اول اسی نے نام حاصل کیا۔ صلاح الدین فاتح بیت المقدس اُسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دار الحدیث اسی نے قائم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا لیکن وہ خود اور

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز ۱۲

اُسکا تمام خاندان مذہبًا حنفی تھا[۱] صلاح الدین خود شافعی تھا لیکن اِسکے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسےٰ بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا علامہ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ نہایت عالی ہمت فاضل ہوشمند دلیر بے رعب تھا۔ اور حنفی المذہب میں غلو رکھتا تھا چرا کسہ مصر جو نویں صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۱۴۸ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں خود حنفی تھے اور اُنکے دربار میں اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہیں اور آج اُنکی سلطنت اسلام کی عزت و وقار کی امیدگاہ ہے عمومًا حنفی تھے خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا خواتین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور اُن کی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا۔ ابن حزم جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں اُنکا قول ہے کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا ایک ابوحنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابویوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورے کے عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کرتے تھے[۲]

حنفی مذہب کے حسن قبول کا سبب

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابویوسف نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُنکے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابویوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا جس میں ابوحنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور اُن کے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابویوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا امام رازی صاحب نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ ثم انه لما قوی مذهب اصحاب الرای واشتهر وعظم وقعه فی القلوب ثم اتفق اتصال ابی یوسف ومحمد بخدمة هارون الرشید عظمت تلك القوة جدا لان العلم والسلطنة حصلا معا یعنی جب اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہو گیا اور شہرت پکڑ گیا اور اسکی وقعت لوگوں میں ہو گئی پھر اس کے بعد ابویوسف محمد کو ہارون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔

اس کے علاوہ قاضی ابویوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت رسوخ حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانۂ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عمومًا انہیں کی تقلید کرتے تھے لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد حنبل

۱؎ الجواہر المضیئہ ترجمہ نورالدین زنگی ۱۲ ۲؎ ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ مصمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

مسائل فقہ کی ترویج واشاعت کا سبب۔ اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی وعمدگی ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس امر میں واضع فقہ کی ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے سوا اور مجتہدین فقہ کی ترویج واشاعت کا باعث زیادہ تر اُن کی ذاتی خصوصیتیں تھیں مثلاً امام مالک مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہ چکا تھا اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص وعقیدت تھی۔ اُن کا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ اُن کے دادا۔ مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سکھی تھیں۔ اُنکے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک نے حسب حدیث وفقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف اُنکی ذاتی قابلیت پر طرہ بنکر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف ودیار میں اُنکی شہرت کا سکہ جم گیا۔ امام شافعی کو اور بھی زیادہ خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکہ معظمہ وطن تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے۔ اُن کا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز وممتاز چلا آتا تھا۔ اُن کے پردادا۔ سائب جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہوکر اسلام لائے تھے مکہ معظمہ کی ولادت۔ خاندان کا اعزاز رسول اللہ کی ہم نسبی ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھکر حسن قبول اور مرجعیت کے لئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہوسکتا تھا امام ابوحنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گذرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی۔ کوفہ جو اُن کا مقام ولادت تھا گو دارالعلم تھا لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ اُنکی مخالفت پر کمر بستہ تھا غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے باوجود اسکے اُنکی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کیساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر اُنکی فقہ کو مناسبت تھی کسی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر اُنہیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب وتمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ بتلاتے ہیں کہ مغرب واندلس میں امام مالک کا مذہب کیوں زیادہ رائج ہوا؟ وہ لکھتے ہیں کہ مغرب واندلس میں بدویت غالب تھی، اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے نہیں حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالک کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہوسکا،،

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُنکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اُس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اسپر بہت کچھ اضافہ کیا اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جسقدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہوچکی تھی اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری تعزیرات۔ لگان۔ مالگذاری۔ شہادت۔ معاہدہ وراثت۔ وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے اُسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہیں اصول پر قائم تھی اور اس عہد کے تمام واقعات اور معاملات انہیں

اور مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب

مسائل فقہ کی تعلیم

قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے یہ قانون جس کو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اس کے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں (۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہیں (۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اور اس اعتبار سے اُس کے لئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان واقفیت نصوص۔ قوت استنباط۔ توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہئے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسر یا شارح تھے لیکن مقننانہ قابلیت سے معرا تھے۔ اسیطرح ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جا سکتے تھے جہاں تک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کر دی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام امام صاحب نے جو کیا وہ تشریعی و غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

تشریعی و غیر تشریعی احادیث کا فرق

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کئے گئے اُن میں بہت ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن بطور ایک اصطلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیع میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اس خیال نے اُن پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں[۱] کہ آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اُسکی تدوین ہوئی اسکی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اُتری ہے مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ۔ (۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اُن کی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوه واذا امرتکم بشیٔ من رای فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُسکے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرت سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اُسوقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں۔ مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعار کی تعیین اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنیکی ضرورت کیا ہے جس قوم کے دکھانیکے لئے ہم رمل کرتے تھے اسکو خدا نے ہلاک کر دیا اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہو گا۔

[۱] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا یہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا اسی بنا پر بہت سے مسائل شلاً غسل جمعہ و خروج النسار الی العیدین نقاو طلاق تعین جزیہ تشخیص خراج تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں انکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

حنفی فقہ کو بمقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور آئمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہیں کیا اور اگر خلفائے راشدین کی نظیریں موجود نہ ہوتیں تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنیکی جرأت نہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ میں اجتہاد کا دعوی تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نکی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اسمیں کون شبہ کرسکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور دقیقہ سنجی پر مبنی نتھی۔ خلفائے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے انہوں نے کیا کیا؟ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جنسے اولاد ہوچکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمر نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے تبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا حضرت عمر نے ایران میں ۴۸، ۲۴، ۱۲ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتی کہ حضرت علی نے بھی ہاشمیوں کو حصہ نہ دیا آنحضرت کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابوبکر کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائیگی۔ آنحضرت کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی حضرت ابوبکر نے اسکی حد چالیس دُرّے قرار دیئے اور حضرت عمر نے بسبب اسکے کہ اُنکے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا چالیس سے اسی دُرّے کردیئے یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھکر اُس کی مخالفت کرتے تھے؟ اگر نعوذ باللہ ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے بلکہ عیاذاً باللہ رسول اللہ کے حریف و مقابل تھے۔

جو مسائل تشریعی مسائل نہیں ہیں

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کیوجہ سے شریعت کے اداشناس ہو گئے تھے۔ انکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کونسے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اُس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا تھا کہ انتم اعلم بامور دنیا کم حضرت عائشہ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانیکی اجازت نہ دیتے یہ صریح اسبات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہ رض نے رسول اللہ کی اُس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اُسپر کیا اثر پڑسکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا اور اس قسم کے مسائل میں اُنکی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگوں کی نگاہ اُس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی

مورد الزام ٹھیراتے ہیں طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں بیچارے عمرؓ کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ قاضی صاحب سے زیادہ اسبابت کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔

استنباط احکام کی ابتدا

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جس کی وجہ سے فقہ (جو ابتک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا۔ امام ابوحنیفہؒ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تجدید اور انضباط ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت میں تھے یہانتک کہ نقل وکتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعیؒ نے مرتب کئے یہ دعویٰ اس لحاظ سے توصحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد امام شافعیؒ سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اُٹھا دیجائے تو امام ابوحنیفہؒ اُسکے موجد کہے جاسکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رُو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اُن کا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اُس کے کیا شرائط اور قیود ہیں اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کئے جاتے تھے نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اُصول منضبط ہوئے تھے۔

واصل بن عطاء نے فقہ کے بعض قاعدے بیان کے

بنی اُمیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ واصل بن عطاء نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ اجماع امت عقل وحجت (یعنی قیاس) واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں۔ مثلاً یہ کہ عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں " نسخ صرف اوامر ونواہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار وواقعات میں نسخ کا احتمال نہیں [۵]"

ان مسائل کے لحاظ سے اُصول فقہ میں اوّلیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہی لیکن یہ اُسی قسم کی اولیت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔

بہرحال امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اس لئے استنباط اور استخراج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے جن کا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جنپر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور اُنکے احکام جرح وتعدیل کے اصول اجماع کے حدود وضوابط۔ قیاس کے احکام وشرائط احکام کی انواع۔ عموم وخصوص کی تحدید رفع تعارض کے قواعد فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول

[۵] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطاء کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

وقواعد منضبط کر دیئے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیئے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں اُنکے علاوہ اور ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیے تھے مثلاً مالم یثبت بالتواتر لیس بقرآن الزیادۃ نسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن لا یتخصص بالاحاد العام قطعی کالخاص - الخاص ان کان متاخرا خصص العام و ان کان متقدماً فلا بل کان العام ناسخاً للخاص ان کان جھل التاریخ تساقطا و یطلب دلیل اخر مفهوم الصفۃ لا یحتج به النهی لا تدل علی البطلان امام صاحب کے یہ اقوال اُنکے شاگردوں کی تصنیفات یا اُصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جنکو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[۱] یہی اصول ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ایک خاص طریقۂ اجتہاد کے بانی ہیں۔ انہیں اُصول کے اتحاد کی بنا پر امام محمد و قاضی ابویوسف کا طریقہ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سینکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

اصولِ فقہ کی کلیات

ان اُصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں اُن کی گنجائش نہیں اُصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اس باب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جنکے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ اُن کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اُس نے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جسمیں امام ابوحنیفہؒ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گذرا ہے تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہیں۔

مسلمانوں میں توضیع قانون کا کام ہمیشہ اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ دنیاوی امور سے علیحدگی کم آمیزی۔ معاملات میں سختی۔ عام واقعات سے بے خبری۔ غیر مذہب والوں سے تنفر۔ یہ تمام اوصاف وہ ہیں جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر ہوں اور فطرتی ہوں وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ دان ہو سکتا ہے۔ تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے ان لوگوں کی جسقدر عظمت کیجائے کم ہے لیکن دنیا اور دنیا

۱؎ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں اُن سب کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اقوال ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲

والوں کا کام اُن سے نہیں چل سکتا۔ حضرت جنید بغدادی معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی کی عظمت و شان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہیں ہو سکتے تھے“

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے تاہم یہ کہنا مشکل ہو کہ تمدن کے ان تمام وسیع تعلقات پر انکی نگاہ پڑ سکتی تھی جن سے اُن کو عمر بھر کبھی سروکار نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین میں بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر مشکل سے عملدرآمد ہو سکتا ہے امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح میں بجز ثقات کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطات جائز نہیں ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان سینکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر ڈالے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جا سکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس وصف میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کیساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات اُن کی نگاہ سے گذر چکے تھے۔ اُن کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں اُن سے مشورہ لیتے تھے اُنکے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود اُن کی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اُسکے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے۔ اُسوقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے۔ اس لئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا۔ مدعی کا اظہار لینا چاہیئے کہ اُس کی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اُسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے یا اگر اُس نے اُسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اُسکو مختار نامہ پیش کرنا چاہیئے۔ قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا معلوم ہوا کہ اُس کی ماں مر چکی ہے اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا مدعی سے پوچھنا چاہیئے کہ اُسکے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر اور دعویدار موجود ہیں تو اُنکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے۔ اسیطرح امام صاحب نے اور چند سوالات کئے۔ جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجئے

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہیں اُن سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کے فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے مقدمہ کے اس دوسرے حصہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصاء کیا وہ اُس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کیجاتی ہے لیکن درحقیقت اُسمیں

بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں انہیں ابواب کے مسائل جو ترتیب دیے گئے وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں مثلاً قانون معاہدہ - قانون بیع - قانون لگان ومالگذاری - تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ -

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال ہے[۵] کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے قانون سے بہت کچھ مدد لی ہے اور اُسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ میں داخل کر لئے - اس خیال کی تائید میں یہ قرائن پیش کئے جاتے ہیں (۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں -

یا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے

(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا - اسلئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی اُن سے استفادہ حاصل کیا -

(۳) اسقدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں اُن کی توضیح بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو -

۵؎ ہم نے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہم کو معلوم ہوا مسٹر شیلڈون امیوز نے جو آجکل لنڈن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں اپنی کتاب رومن لا میں اس دعوے کو بڑے مشدومد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اس بات پر ایک مفصل بحث کی ہے - یورپ کو جو برتری آجکل تمام قوموں پر بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اس نے یورپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جس سے کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعوی کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے یہی اثر ہے جسنے مسٹر شیلڈون امیوز کو اس بحث پر مجبور کیا انہوں نے اپنے دعوے کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت اُن کا یہ دعوی ہے ہم اُنکے مضمون کو قریباً اُنکے الفاظ میں نقل کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوی میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق میں دفعتہً ایک بالکل جدید طبعزاد قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعوی کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعوی کیا جاتا ہے اس کی تاریخی بنیاد کیا ہے؟ علاوہ دوسری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اس دعوے کے سخت مخالف ہے اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کرتے ہیں کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہیں - فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے ابتداہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو با ترتیب اور منضبط سلسلہ قانون مسلمان فاتحوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلی درجہ کا ملکی رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا" پروفیسر موصوف نے شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ جسوقت مسلمانوں نے شام و مصر کو فتح کیا تو وہاں رومی قوانین کے متعدد مدرسے موجود تھے بیروت میں الگ مدن سیلورس کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جسمیں چار پروفیسر تھے - قیصریہ میں وکلا کی ایک جماعت رہتی تھی اسکندریہ میں قانون کی تعلیم جاری تھی ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اسقدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جس طرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدلجاتا ہے "اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا لیکن جب علمی ترقی زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کے لئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے - پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسپات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو علمی قومیں عرب کے ماتحت ہو گئی تھیں ان کی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کیجائے نہ اُس کے لئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے - جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن وامان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب و ریاضیات و منطق اور علوم فلسفیہ میں ترقی ہوئی جس طرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح بلیل ( ) ملپود ( ) اور اُنکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا اس کے بعد پروفیسر صاحب موصوف اس خیال کی قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اسقدر کم احکام ہیں کہ ان پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی - پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر ان کو رحمدلی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو - سود خوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اُٹھیں گے میعادی قرض کو قلمبند کر لیا کرو - اگر بیبیوں کے ساتھ انصاف کر سکو تو کوئی نکاح کر سکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں مرد کو دو حصہ ملیگا اور عورتوں کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو - شوہر کو نصف حصہ ملیگا - مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے - مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھدو - اگر تمہاری مرضی ہو سزائے زنا و غیبت ۱۲ پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسیقدر قانونی احکام مذکور ہیں اور اسلئے اُنکے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پا سکتا - چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو سدھے قواعد اور بدرجہ ہوئے انہیں مشکل سے رومی بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہوں نے ایسے پرانے مصالحہ سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موقع پر رومی قانون کی کلیوں اور جزئیوں کو یاد دلاتی ہے -

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقّت نظر اور استقصار کیساتھ مقابلہ
کیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جس قدر دونوں قانونوں میں تطابق ہے وہ توارد کی حد سے تجاوز ہے یا اسی قدر
ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں۔ میں اول تو رومن لا سے واقف نہیں اور
ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا۔ اسلئے مجھکو اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس موقع پر جو کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) اسکے بعد پروفیسر صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل[۱] میں فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکسان ہیں اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ درحقیقت رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے تو صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ لکھدیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر اُن کے خاص فقرے لکھدیے ہیں پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کئے جا سکتے ہیں " قرآن مجید میں بہت کم احکام ہیں اور اُن سے قانون نہیں بن سکتا، ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا۔ مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کیئے۔ فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں" یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمنے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اس شخص کو قدم رکھنا چاہیئے جو فقہ اسلام اور رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ پروفیسر موصوف بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لیکن مسائل اسلام کے متعلق اُن کی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے اُنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام صرف معدودے چند ہیں جن کی اُنہوں نے تفصیل کر دی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ انمیں بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں تاہم خاص وہ آیتیں جن میں قانونی احکام ہیں سو سے کم نہیں۔ یہ آیتیں جداگانہ جمع کیگئی ہیں اور علماء نے اُنپر متعدد تفسیریں لکھی ہیں اگر ان تمام احکام سے واقف ہوتا تو ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں سے اُنکو صرف دو مسئلے معلوم ہیں تعداد طلاق و تعداد نکاح حالانکہ قرآن مجید میں محرمات نکاح موطوءِ باب جمع بین الاختین۔ نکاح مشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام۔ خلع اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا ایک حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے افسوس کہ اُنکو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف صریحاً مذکور ہیں۔ قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور جن میں قتل عمد اور قتل خطا اور اُنکے احکام کی پوری تفصیل ہے۔ پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہیں۔ حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم ان مقدمات پر توجہ کرتے ہیں جن پر پروفیسر صاحب کے استدلال کی بنا ہے اسقدر اُنہوں نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ تھے اور اُنکے قانونی احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی۔ اسلیئے دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا اب تابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اس دعوے کے ساتھ پیش کئے ہیں وہ رومن لا کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد سلسلہ اصولی رشتہ داران طرفی خواہ آدھا خون ملا ہو یا کل اور اُن کی اولاد۔ بی بی یا خاوند۔ مولا یا غلام آزاد یہ سب رومن لا کے موافق ہیں۔ اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے۔ نصف۔ ربع۔ ثمن۔ دو ثلث ایک ثلث۔ سدس۔ یہی حصے رومن لا میں بھی تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اسمیں رومی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں انکو پڑھکر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے وصیت تقریری یا تحریری دو گواہوں کے سامنے وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا جبتک کہ ورثا نہ راضی ہوں لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہیں اور اس امر سے ایک عام عربی دان بھی انکار نہیں کر سکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہیں جو انکی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں ہم ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے۔ مختصراً اسقدر کہنا کافی ہے کہ انمیں اکثر مسائل اُسی زمانہ کے ہیں جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہیں حاصل کی تھی۔ پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم تھے انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہاں سے تیار ہو گیا اسی حیرت نے اُنکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بنائیں لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہیں

[۱] ہمنے بخوف تطویل ان مسائل کو یہاں نقل نہیں کیا لیکن آگے چلکر ان میں بہت سے مسائل کا ذکر آئیگا۔

میں لکھو نگا اُس کا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں - لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس اور ظن ہی سے کام لیتے ہیں - کیونکہ باوجود تحقیق کے ہم کو کوئی ایسا مصنف نہیں ملا جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے -

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب و عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے - لیکن اسمیں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں - یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کئے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں اُن کا ذکر ہے اُنمیں متعدد ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں معمول و متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں اُن کی تفصیل بھی کی ہے - حضرت عمرؓ نے خراج و ٹیکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانہ حکومت میں وضع کئے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیرواں کی اقتدا کی تھی - چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف الفاظ میں تصریح کی ہے -

ایک مقنن جب کسی ملک کیلئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اُس ملک میں اُس سے پہلے جاری تھے - اُن میں سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے بے شبہ امام ابوحنیفہؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا - لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے - کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُنکی زبان مادری فارسی تھی - دوسرے اُن کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا -

غرض یہ امر بہرحال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیع میں ان قواعد اور رسم و رواج سے ضرور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۷) نماز روزہ حج زکوٰۃ کے متعلق قرآن مجید واحادیث میں کونسی بڑی تفصیل ہے پھر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا؟ کیا یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہیں اسکو بھی جانے دو تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر حدیث - اصول حدیث - اصول فقہ اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے اور آج انکی کیا حالت ہے کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہیں ہیں؟ کیا ان سے مسلمانوں کی دقت نظر، تیزی طبع وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہوتا کیا یہ علوم وفنون بھی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکھے؟ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اس زمانہ کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا لیکن زمانہ بعد میں بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اٹھایا - پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم وفنون لئے لیکن ان کو جاننا چاہیئے کہ یونان و مصر کے شاگرد ونکا نرد ایک خاص گروہ تھا بے شبہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں ہی میں وہ گروہ بھی تھا اور وہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے فضل و کمال کے زعم میں غیر قوموں کی طرف کبھی نظر نہیں کرتا تھا مجتہدین اور فقہا اسی گروہ میں داخل ہیں یونان اور روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں اُن کی نہایت مفصل فہرست ہے جس سے معلوم ہے کہ ان میں فلسفہ - طب - ہندسہ - نجوم - کیمیا - صنعت - تاریخ - لاتف - ناول ہر قسم کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جسکی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام میں واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی کو گویا اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا امام ابوحنیفہ - امام مالک - امام شافعی - امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو ان کے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے؟ اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب ان ہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہوگئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعویٰ نہ کرتے -

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا اور فقہ اسلام متحد کیوں ہیں لیکن اسمیں فقہ اسلام کی تخصیص نہیں جن قانونوں کا گو وہ کتنے ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے - جب تمام دنیا کے آدمیونکی ذاتی و تمدنی - ملکی ضرورتیں اکثر متحد اور یکساں ہیں تو اُن ضرورتوں کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کئے جاوینگے اُن کے مسائل کا مشترک ہونا کونسے تعجب کی بات ہے

شعر: دو راہ رو کہ بیک رہ روند در یکسمت ⁂ عجب نباشد اگر اوفتند پے بر پے ⁂

مددلی ہوگی جو ان ممالک میں جاری تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جاسکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہانتک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں لیکن وہ فلسفہ طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کیگئی ہو اور اس قدر تو قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ احتمال کہ امام ابو حنیفہؒ نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے اس قابل نہ تھے کہ حیز تحریر میں آکر قانون کا لقب حاصل کرسکتے۔

مختصر یہ کہ جس قدر تاریخی قرائن موجود ہیں اُن سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جس کے نمونہ پر اُنہوں نے فقہ کی بنیاد رکھی اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ امام ابوحنیفہؒ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت میں مدوّن ہوچکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب ہی اُسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ ان کو ملک کے رسم و رواج مسائل معمول بہا علماء کے فتاوے سے مددلی لیکن یہ اُسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے [illegible] امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

ان عام مباحث کے بعد اب ہم اُن خاصیتوں[1] کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیتیں

فقہ حنفی اصول عقل کے موافق

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی اُن میں کوئی سِر اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لئے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت ان سے منع کیا ہے۔ اور خیرات و زکوٰۃ صرف اس لئے مستحسن ہیں کہ شارع نے ان کی تاکید کی ہے ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اسکے دونوں پہلو بڑے بڑے علماء نے اختیار کئے ہیں ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن گیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اسقدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی میں مذکور ہے کفارے

---

[1] یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن خصوصیتوں کا ہم نے دعویٰ کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہیں ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیات امام صاحب کے مذہب میں نہ پائی جاویں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں پائی جاویں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲

مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تنھی عن الفحشاء والمنکر روزہ کی فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا لعلکم تتقون جہاد کی نسبت فرمایا لا تکون فتنۃ اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جابجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ اُن کی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اُن کے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے۔ محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے۔ امام محمد نے بھی کتاب الحجج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ اس دعوے سے امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے۔ شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے اُنکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اُسی قدر اُنکی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا[۵] ہے کہ امام شافعی کا مذہب امام ابو حنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اُس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل و رائے کو دخل نہیں ؛؛

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابو حنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا دوسرے ائمہ جنہوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی انکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جس کی ممارست نے انکی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ معتزلہ وغیرہ جنسے اُنکے معرکے رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے۔ اسلئے امام صاحب کو بھی اُنکے مقابلہ میں اُنہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا اور متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے اُن کو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں بھی وہی جستجو رہی۔ حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اُس میں عقل کو دخل نہیں۔ امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیجائے کہ نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور اُن مصالح کے لحاظ سے اُن احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہو گا جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے! (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا) اور اُسکے حاصل ہونے میں کن کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے؟ ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض لازمی اور ضروری ہیں کیونکہ اُن کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے

---

[۵] مناقب شافعی مصنفہ امام فخرالدین رازی ۱۲

ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادا میں ایک حسن پیدا کرتے ہیں لیکن اُن کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور اُن کو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی۔ لیکن اسمیں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اسلئے تمام مجتہدین نے اُنکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط و اجتہاد کی رُو سے اُن افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور اُن کے جُدا جدا نام رکھے۔ امام ابو حنیفہ رح نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن اس باب میں ان کو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اُنہوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا در حقیقت اُن کا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے اسلئے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت۔ تکبیر۔ قرآت۔ رکوع۔ سجود وغیرہ جن سے بڑھ کر اقرار عبودیت و اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے اُنکے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کئے۔ بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ اُن ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دیا حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اس لئے امام ابو حنیفہ رح اُن کی فرضیت کے قائل نہیں مثلاً امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اسکے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم اللہ اجل) امام شافعی رح کے نزدیک نہیں ہو سکتی۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی رح کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رح کے نزدیک بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[۵۱]۔ امام شافعی رح کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ رح یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لئے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بتفصیل مذکور ہیں۔ ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں اُسی طرح عقلی وجوہ بھی اُن کی صحت کی شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسی لئے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی

---

[۵۱] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اسمیں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے یعنی اُنکے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے کم بے شبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہ حنفیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔

فقراء مساکین۔ عمال۔ زکوٰۃ موئلفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اس لئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں لیکن تعیین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا۔ امام شافعیؒ نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جبتک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کی جائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے باقی یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چار پایوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ میں جانور یا اُس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ زکوٰۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اُسکی قیمت دونوں برابر ہیں۔ اسلئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے اور سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہیں کر سکتے معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کسقدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

دوسری خصوصیت حنفی کا آسان اور سہل ہونا

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا؛ رسول اللہ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہوں؛ بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اُس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں اُس کے مسائل آسان اور یسیر التعمیل ہیں۔ حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعراء اور مصنفین اُسکو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا

ع چوں رخصتہائے بوحنیفہ ؛ تاہم اصل مدعا کا ثبوت اُس کے کلام سے بھی ہوتا ہے عبادات اور معاملات کا کوئی باب کوئی فصل لیلو۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اسکے اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں۔ مثلاً کتاب الجنایات وکتاب الحدود کے مسائل۔ انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں۔ چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی ان شروط

کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب کس قدر آسان ہے اور تمدّن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

سرقہ کے احکام

امام ابو حنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا
نادان بچہ پر قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اُس کا مالک ہوگیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہوکر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں اُنپر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اُن کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اسباب میں یہ دعویٰ اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کی پابندی کی جائے بخلاف اسکے امام ابو حنیفہؒ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں مثلاً امام شافعیؒ کے نزدیک جو پانی اپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہے اسی طرح مٹی کے برتن جو اُپلوں کی آگ سے پکائے گئے ہوں اُن میں کھانا ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً آبگینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور ان کو پہنکر نماز نہیں ہو سکتی۔ برتن کر سیاں

اور زین وغیرہ جن پر چاندی کا کام ہو اُن کا استعمال ناجائز ہے۔ بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بعث و اشتریت کی تصریح نہیں کیجاتی ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے۔

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصّہ ہے اور یہی وہ موقعہ ہے جہاں ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کیلئے بالکل ناکافی تھے نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابوحنیفہ رح پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُن کے بعد ہوئے اُنہوں نے بجائے اسکے کہ اُس کو وسعت دیتے۔ اسی غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جس کا منشا وہ زاہدانہ خیالات تھے جو علمائے مذہب کے دماغوں میں جاگزیں تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوے میں زمین کا موقع بتایا جائے اُس کی حدود اربعہ دکھائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر ان کو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہیں اسکے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

امام شافعی ہبہ کیلئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گواہاں نکاح کیلئے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی اُنکی شہادت جائز نہیں قرار دیتے بے شبہ یہ باتیں اُن ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں سادہ اور نیچرل حالت میں ہیں لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہو جاتی ہوں۔ حقوق کی تجدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ سے مخالف ہیں۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پاسکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی[۵]۔

اسکی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔ امام ابوحنیفہؒ نے جس دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے اُس کا صحیح اندازہ تو اُس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کیلئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب میں اسکی گنجائش ہے تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ اس کے لئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

---

[۵] اس قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ۱۲

نکاح کو اگرچہ فقہائے نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن اور معاشرت کے دو بڑے بڑے نتائج اسپر متفرع ہوتے ہیں معاملات کا نہایت ضروری حصّہ قرار دیا جا سکتا ہے"

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں لیکن ہم ان کتابوں میں دکھا دینگے کہ آج تہذیب کے بہادر ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں بنتھم نے اپنی کتاب یوٹلیٹی میں لکھا ہے کہ رومن لا کے بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں"

لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعۂ انصاف ہیں۔ غالبًا اس بحث سے اُن لوگوں کے خیالات کی بھی کسی قدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لا سے ماخوذ ہے۔

نکاح وازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جماعتوں کا شیرازہ۔ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ جس مقنن نے اسکے اصول وضوابط کی عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ اُن اصول وضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اُس کے مہمات مسائل بتادیے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ اُنہوں نے اُن اصول کی تشریح کی اور اُسپر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہوگئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جن میں امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہیں اور صاف صاف نظر آتا ہے کہ جس طرح اُنہوں نے ان موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محل معین کئے۔ اشاروں کی تصریحیں بتائیں۔ جزئیات کی تفریع کی وہ اُنہیں کا کام تھا۔ جن میں اور مجتہدین کسی طرح اُن کی ہمسری نہیں کر سکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے۔

(۲) معاملۂ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیئے۔

(۳) اسکی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیے جائیں۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریبًا تمام مذہبوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتھم نے کتاب یوٹلیٹی میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کئے بالکل مشترک ہیں چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحًا مذکور ہیں اسلیئے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آئیں اُنمیں

اختلاف پیدا ہوگیا اُنہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے اُس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اُس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔ اُن کی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے اسلئے وہ حلال کو حرام نہیں کرسکتا۔ امام ابوحنیفہؒ اس کے بالکل مخالف ہیں اُنکے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اُسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں۔ اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُس کے ساتھ نکاح اور مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوءہ کا بھی یہی حال ہے وعلیٰ ہذا القیاس خود قرآن مجید میں اس کے اشارے موجود ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں۔ ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے اور نکاح کے اثر کی خوبی یا بُرائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہے یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کرسکتی بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اسقدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے اختیارات وسیع دیے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کرسکتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہوکر وہ نکاح فسخ کرسکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصلی بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتونکی حالت نہایت پست قرار دیگئی ہے اور اُن کے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسی طرح اور بہت سے امور ہیں جن سے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں درجہ پر قائم کئے ہیں اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا و للنساء نصیب مما اکتسبن امام ابوحنیفہؒ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب میں اُن کی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح۔ طلاق۔ عتق وغیرہ معاملات میں عورتونکی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردونکی۔ بخلاف اس کے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتونکی شہادت کا اعتبار نہیں۔ بعض معاملات میں ان بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہوں اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت میں اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجاسکتی ہے لیکن اور ائمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر اُنکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت

کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ میں خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے آخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے۔

اس بحث میں امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہؒ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الا بولی پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام وبقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے یہ اسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جائے ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے طریقہ انعقاد۔ تعین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دیئے ہیں ان سب میں اس اصول سے کام لیا ہے۔

اس باب میں سب سے مقدم انکا مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنے جبتک زوجین کی حالت استقامت پر ہے طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہو یعنی یہ کہ تین بار کرکے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنے کے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہو اور تجربے سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی بر بھی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے طلاق کے بعد اس کو ٹھہرا رکھنا اور تین مہینہ تک زوجہ کی خور و نوش کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے گذر اور بسر اوقات کے لئے اسکو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے اس باب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں ہم انکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اسکے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

امام ابوحنیفہ	دیگر ائمہ
(۱) جبتک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔
(۲) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے	امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔
(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک حبہ بھی مہر

نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے ہے جسکو اس قسم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	ہوسکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بے دریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے۔ اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہ گئی سخت تکلیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہوسکتیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اُس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملیگی	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی
(۸) رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت بادنیٰ مساحت ہو سکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۹) رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہے تو طلاق بائن ہو جائے گی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے فوائد مرتب ہونیکے لیئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل نہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہیئے نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق میں زوال آئے یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جس کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملسکتی کہ اُس نے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے اس اُصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں جہاں اور ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی ہے مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتوں کے حقوق

اس باب میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ جسطرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے اسیطرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے

کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اُس کی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اوّلاً مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اُسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت و زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ عورت بے گناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

دستور نکاح

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے۔ ان رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے۔ امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جن سے ظاہر ہو کہ اُنہوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے۔ یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کیجا سکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اس کے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہئیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اُس کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود معدوم کے برابر ہو جائے نہیں تو بہت کم وجود میں نہ آ سکے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لئے کافی ہیں۔

چوتھی خصوصیت ذمیوں کے حقوق

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُس نے ذمیوں یعنی اُن لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں جابجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہیں اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلئے اُن کی تعبیر مطالب میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی۔ اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اُس کی حدود حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں اسلئے اگر اُنکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کیجائے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دئے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے۔ یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے بیشک زبانی دعویٰ کر سکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون رشید اعظم کی وسیع حکومت انہیں احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے یعنی اگر مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اس کے بدلے قتل کیا جاویگا اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے کہ انکے نزدیک ابوبکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی اگر ابوبکر صدیق بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانیکے مستحق تھے۔ حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعمیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کرکے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہے۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا۔ مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے بے شبہہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے اور اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے۔ خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علی کا قول ہے من کانت له ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہے۔ حضرت علی پر موقوف نہیں۔ تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا۔ عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے۔ انہوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جنپر انکو شبہہ تھا۔ قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کے لئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں۔ اور ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جسطرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے جزیہ جو ان کی محافظت کا ٹیکس ہے اس کی شرح حسب حیثیت قائم کیجائیگی مفلس شخص سے جزیہ بالکل معاف ہے اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہوکر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائیگا ذمیوں کے معاملات انہی کی شریعت کے موافق فیصل کئے جائیں گے۔ یہانتک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی۔ ذمیوں کی شہادت انکے باہمی مقدمات میں مقبول ہوگی ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتے ہیں تمام مسجدوں میں بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتے ہیں بجز ان خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کئے ہیں ہر جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔ وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو سپہ سالار انپر اعتماد کر سکتا ہے اور ان سے ہر طرح کی اعانت لے سکتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہیں جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر قرار دیئے ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انہوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے مثلاً اس امر میں کہ ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہو جاتا ہے ان کا مذہب ہے کہ بجز اس حالت کے کہ ان کے پاس جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے بمقابلہ پیش آئیں اور کسی صورت میں ان کے حقوق باطل نہیں ہوتے

مثلاً اگر کوئی ذمی جزیہ نہ ادا کرے۔ یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو یا کافر کی جاسوسی کرے۔ یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے۔ یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اُس کے حقوق باطل نہوں گے۔

اب اس کے مقابلہ میں اور ائمہ کے مسائل دیکھو۔ امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بے جرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہیگا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا وہ بھی مسلمان کی دیت کی ایک ثلث اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لیجائے تو سال میں جتنی بار لیجاوے ہر بار اُس سے نیا ٹیکس لیا جاوے گا۔ جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہو سکتا اور بوڑھے اندھے اپاہج مفلس۔ تارک الدنیا تک اُس سے معاف نہیں بلکہ امام شافعی سے ایک روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونیکی وجہ سے جزیہ ادا نہیں کر سکتا وہ اسلام کی عملداری میں نہ رہنے پائے۔ خراج جو اُنہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اُسپر اضافہ ہو سکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہو سکتی۔ ذمیوں کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالک و امام شافعی دونوں متفق الرائے ہیں۔ ذمی کبھی حرم میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عام مسجدوں میں اجازت کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اُس کو بالکل اجازت نہیں ملسکتی۔ ذمی اسلامی حدود حکومت میں کہیں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا۔ ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور وہ اسلامی فوج میں نہیں شریک ہو سکتے۔ ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زناکاری کا مرتکب ہو تو اُسیوقت اُس کے تمام حقوق باطل ہو جاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جاویگا یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ خاص ہیں ورنہ امام شافعی کے نزدیک بُت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبھ سکا۔ مصر میں سلطنت ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا لیکن اس کا نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اسلئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنیکا موقع ملا ہے ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ وضع اور لباس میں مسلمانوں کی ہمسری نکریں گھوڑوں پر سوار نہوں وہ ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں ان کے گھروں پر علامت بنا دی جائے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں الٰی غیرہ وغیرہ۔ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔ فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابو حنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابو حنیفہ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ ذمی زنّار باندھیں اور ایسے زین پر

سوار ہوں جنکی شکل سٹیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب[1] نے بعض اور احکام اسپر بڑھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت نہ اختیار کریں اور لمبی ٹوپیاں اوڑہیں اور اُنکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُن کی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور اُنکی عورتیں کجاووں پر سوار نہ ہوں۔ قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے بارے میں یہی احکام صادر کئے تھے اور اُسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیونکی وضع مسلمانونکی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیونکی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے شبہہ حضرت عمرؓ کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ اُنہوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہوں موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک اور وطن کی خصوصیتوں کو ملحوظ رکھیں۔ اسی بنا پر اُنہوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ ہونے دیں۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے لمبی لمبی ٹوپیاں اوڑھتے تھے۔ اُن کے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُنکی عورتیں اونٹوں پر نہیں سوار ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہیں رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُس کی پابندی کریں یہی احکام امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے جن کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی خصوصیات پر قائم رہیں۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادت گاہیں نہ بنائیں لیکن ان کا مقصد صرف اسقدر تھا کہ امن و امان میں خلل نہو اور مسلمان عایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس کی صداؤں سے اُن کے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں دقت بھی نہیں پیدا کی مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں کے شہروں سے معمور تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت تھی۔ اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اُس وقت تک قائم رہی جبتک فتنہ کا احتمال رہا جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیونکو عام اجازت ملگئی چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سینکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

لفظ نص کا اطلاق قرآن اور حدیث دونوں پر کیا جاتا ہے

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جنمیں ائمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابو حنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن و حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس موقع پر ہم اُن سے بحث نہیں کرسکتے اور اُسکے مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا اگرچہ چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں تو بدگمانوں کو اس سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دیئے دوسری بڑی

[1] قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج میں لکھے ہیں ۱۲

[2] خلیفہ منصور نے اپنے درباریوں کو اسی قسم کی ٹوپیوں کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جس کی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی ۱۲

وجہ یہ ہے کہ آج اُن مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں۔ اس بحث کے تصفیہ کے لیئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہیں وہ بالکل ناکافی ہیں اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن کی جو کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ مثلاً تہذیب الکمال مزی تہذیب التہذیب میزان الاعتدال طبقات الحفاظ۔ تہذیب الاسماء و اللغات وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر انکا سلسلۂ سند مذکور نہیں اسلیئے محدثانہ حیثیت سے انکے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا اُسکے علاوہ اکثر جروح مبہم ہیں اور جن جرحوں کو مفسر قرار دیا ہے وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدما نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں اُن سے بلاشبہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جسکو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اُس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں اسحالت میں بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اُسکا تصفیہ ہو جاتا ہے قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں اُنکی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائے گی اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

ان وجوہ کی بناپر۔ اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے جس سے بدگمانوں کو سوءظن کا موقع نہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا اسلیئے بہت سی حدیثیں اُنکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سر و پا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں اُس وقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے۔ وکیع بن الجراح جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی نسبت امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے اُنسے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے اُنکے حال میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[1] یحییٰ بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے خود اُن کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[2] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل

اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں۔

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھکو اُن سے توارد ہے طحاوی امام بخاری اور مسلم کے ہمزمان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی حافظ زیلعی۔ ابن الہمام قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلّت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں اُن کے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جن کی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جن کی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع وجزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو پچیس مسئلوں میں اُنکو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف ہمنے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری کو . . . . محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے اُنکے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے۔ واللہ سفیان اکثر متابعة منی لابی حنیفة یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں" صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابوحنیفہ کیموافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالونکی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح واعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے بااخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطائے امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ باوجود اس کے اُنہوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جسمیں دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اُنکو اس امر کی نسبت خط لکھوں" امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں ان کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور اُن کی بنا پر ہم کسیکو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلے کے طے ہو نیکے بعد استنباط واستدلال کی بحث باقی رہتی ہے جسمیں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط واستدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القراءة ہمنے دیکھا ہے جامع صحیح میں جہاں وہ امام ابوحنیفہ کیطرف اشارہ کرتے ہیں اُن سے بھی ہم واقف ہیں بے شبہہ اُن مسئلوں میں امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتویٰ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ اُن مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام

بخاری کے فہم واجتہاد کے مخالف ہے قرأت فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے وَاِذَا قُرِئَ القرآن فاستمعوا له وانصتوا امام بخاری جزء القراۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارے میں اتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں سامام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراۃ مجموعہ ہماری نظر سے نہ گذرا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اول تو بیسیوں روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اتری ہے لیکن اگر ہم انہی کے قول کو تسلیم کریں تو یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صریحی عام ہے خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ امام بخاری برخلاف اس کے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو وضو جائز ہے امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قرارت واجب ہے اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ کوفہ والوں نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا کوفہ والونکو شکایت یہ تھی کہ سعد کو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی حضرت عمر نے انکو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے۔ سعد نے کہا واللہ میں ان کے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا اور اس سے کچھ کم نہیں کرتا تھا میں عشا کی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔

اس حدیث سے قرارت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں انسے اگر بہزار دقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی !!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہنچیں۔ سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت وجوہ استنباط۔ طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اسلئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

باب الطہارت

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جنسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے اُن کے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابوحنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں اسلئے ہم انکا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جنسے ایک اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔"

فرائض وضو

امام صاحب کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے اُسکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کیوقت بسم اللہ کہنا ضرور ہے اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اسلئے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی نیت و موالات و تسمیہ کا تو آیۃ میں کہیں وجود نہیں۔ ترتیب کا گمان البتہ واو

کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کردیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کیلئے متعدد دلیلیں پیش کیں ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان کا رتبہ تاویل سے بڑھکر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں حرف فا تعقیب کیلئے ہے جس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلافِ عقل حکم ہے اس لئے اسکی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونی چاہیئے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جسطرح خلاف عقل ہے ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اُس پر ردّ و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط[۵۱] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرلو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا، لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جسکے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں مالم تمسوھن جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہوسکتی اسی آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لئے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہوکر آئے اُس پر وضو کرنا واجب ہوگا۔

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن ان کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استنباط کرتے ہونگے غالباً اُنکے بعد اُنکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کے لئے آیت سے استدلال کیا اور اُسکو امام شافعی کی طرف منسوب کردیا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمم کرنا چاہیئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں ادا ہوسکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگاسکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہیگا۔ امام مالک و احمد حنبل اس کے مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنے جب پانی نہ ملے اس صورت میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

---

۵۱ غائط کے معنی نشیب زمین کے ہیں لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے۔ ۱۲

باب الصحة تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کیگئی ہے یعنی وذکر اسم ربہ فصلے اسمیں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ فصلی پر فا تعقیب داخل ہے اسلئے نماز کا وجود تکبیر سے مؤخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں اور جزو نماز نہیں۔

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جاوے تو سنو اور چپکے رہو۔ اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قرارۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسی صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اُسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھاہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیاہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں کہ حرام کیا خدانے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جسپر خدائے سوا اور کسی کا نام لیا جاوے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اُسپر گناہ نہیں اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے جنمیں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابو حنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنی ہیں؟ امام ابو حنیفہ وہی عام معنی لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہیں امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہانتک کہ وہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیونکو بھی مردہ کہتے ہیں اس بنا پر اُن کی رائے ہے کہ ان چیزوں سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں امام مالک بال اور کھال کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہڈی کا استعمال انکے نزدیک بھی حرام ہے امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنی لئے ہیں چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اسلئے اُن کے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدانے قرآن میں فرمایاہے من یحی العظام یعنی ہڈی کو کون زندہ کریگا۔ اور زندہ وہی چیز ہوسکتی ہے جو پہلے مرچکی ہو اسیطرح خدانے زمین کو مردہ کہاہے ؎ امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہوسکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیاہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

کتاب الذبائح والاباحۃ یعنی حلال و حرام باب

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت میں حرام کہاہے اُس سے کیا مراد ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے جس خون میں روانی ہو۔ اس بنا پر وہ مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اسمیں کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص

خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا کہ قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ ولا عاد سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت وعدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہوا اور جاں بلب ہو اسکو مُردہ وسور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت اور عدوان کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جاں بلب ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اُس کو مُردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کھانا جائز ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اُسکو یہ اجازت نہیں مل سکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں دوسرے اصول شرع اُسکی مساعدت نہیں کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم وعصیان سے باطل نہیں ہوتی۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اُسکی اجازت دی گئی ہے کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہو سکتا؟ صورت متنازعہ میں اگر اُس شخص کو اس لئے کھانے کی اجازت نہیں دیگئی کہ اُسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اُس کے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

یہ مسائل تو نصّی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اُس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جاں بلب ہوا اور بجز شراب کے اور کوئی چیز نہ مل سکے تو اُسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا لیکن قیاس کے قائل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

باب جنایات

جنایات کے بارے میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں اُن کی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے اسلام نے نہایت خوبی سے اُس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہو سکتے جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول وقاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور ایک مرد کے بدلے دوسرے قبیلے کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو یا عورت غلام ہو یا آزاد مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کے لئے اُن صورتوں کی خاص طور پر بھی نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی۔

ترجمہ یعنی تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد آزاد کے بدلے۔ غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے۔
زمانۂ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارے میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا اور اسکو دیت کہتے تھے اسلام نے اس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت میں جائز رکھا اور اس کی مقدار مسلمان و ذمی کیلئے یکساں مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وماکان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاءً ومن قتل مؤمنا خطاءً فتحریر رقبہ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ یعنی مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اسکو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا +
یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جسکی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً انکی غلطی ہے۔
پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں
دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی ان لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں بے شبہہ یہ اسلام کی نہایت فیاضدلی ہے کہ اس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔
تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے جاہلیت میں قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اسوجہ سے مالی معاوضہ اسکا بدل ہو سکتا تھا لیکن اسلام ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔
چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ آگ سے جلا کر مارا جائے لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔
پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کیساتھ مخصوص ہے قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔
وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی میں اختلاف ہے ان مسائل میں امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضع نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اسی کو ملتی لیکن جب اس نے کوئی ہدایت

نہیں کی تو اُسپر لحاظ ہوگا کہ اُسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کیساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجات کیساتھ اُس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات اُن کے ساتھ تھے دوسرا اصول جو پولٹیکل اکانمی کا عام اصول ہے یہی ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ وہ ایک شخص تک محدود رہے یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے اور اس وجہ سے انکا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہگیا۔ عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیوں کو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کہ متوفی کیساتھ تھے ہیں اور اُسی نسبت سے تین درجے قرار دیئے۔ ذوی الفروض عصبات۔ ذوی الارحام۔ ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے او خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام میں تینوں مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی وامام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کردیا۔ چنانچہ اُن کے نزدیک نانا بھتیجیاں بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پاسکتے اُن بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض وعصبات اُسکے افراد قرار دیئے ہیں جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

نکاح و طلاق

نکاح وطلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جنمیں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآرا ہیں۔ ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر اُنہیں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کرسکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوی پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کیگئی ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جس کو خود اُنہوں نے کتاب الام میں بڑے شد ومد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن۔ ترجمہ اور جب تم طلاق دو عورتوں کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں" امام شافعی کہتے ہیں کہ تعضلوهن اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کردی تھی شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی لیکن عدت گذر جانے کے بعد اُسکو ندامت ہوئی اور اُس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی ہوگئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے نکاح کردیا تھا اُس نے طلاق دیدی۔ اب میں کبھی اُس سے نکاح نہ ہونے دونگا، اسپر یہ آیت اُتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنی لئے اگر ہم نے خود اُن کی کتاب میں اُسکو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُنہیں کا قول ہے۔

اول ہم کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طلقتم

میں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تعضلوھن میں بھی انھیں کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہو گی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شوہرو! جب تم عورتونکو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ چکیں تو اے نکاح کے اولیا، تم اُن عورتوں کو نکاح سے مت روکو،، اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہہ کر سکتا ہے؟ شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہو اور جزا میں اُن سے کچھ واسطہ نہ رہے اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے۔ یہ کونسا طریقہ کلام ہے؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں تاہم اُنھوں نے تفسیر کبیر میں صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ اور خدا ایسی بے ربط عبارت بول نہیں سکتا،، اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کرلیں تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اس کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہیں۔ جاہلیۃ میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویونکو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُنکے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش میں نجانے پائے اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے اس بُری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے شوہرو جب تم عورت کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو تم انکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے یعنی جنکو وہ اب شوہر بنانا چاہتی ہیں نکاح کریں۔ امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں اور اسی سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ عورتیں نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہیں اس استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہی کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتونکی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیائے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے۔ اسقدر تو چاروں ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایکبار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور پھر رجعت نہ ہو سکیگی لیکن انہیں اختلاف ہی کہ اسطرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں امام شافعیؒ کے نزدیک مشروع ہی اور خدا نے اُس کی اجازت دی ہی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے جو طلاق کا طریقہ بتلایا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی طلاق دوبار کرکے ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا ہے صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر ایکبار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اُسکے نفاذ کے کیا معنی حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جس کا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہی اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے ماں باپ کا اولاد کو کم و بیش حصوں میں جائداد کا ہبہ کرنا شرعاً ممنوع ہی لیکن اگر کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اُس کا نفاذ ضرور ہو گا۔ اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعویٰ کرتے ہیں کہ اُنکے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے اسی لئے اُنکے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود اُنکے شاگردوں نے بہت سے مسائل میں اُن سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔ قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اُس حد تک صائب الرائے تھے۔

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور استادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہو جاتی ہے کہ جہاں اُستاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ اُن کا نام نہ آئے جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں امام ابوحنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے اس گروہ میں سے چند بزرگ ایسے ہیں جنکی بیوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب تدوین میں شریک تھے اُنکے شاگرد اور ارادت مند خاص تھے امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں اُنکے شریک اور مددگار تھے۔ اُن لوگوں کے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے یعنے اُن لوگوں کی عظمت و شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث[۱] تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہؒ نے غلطی کی۔ وکیع بولے کہ ابوحنیفہؒ کیونکر غلطی کر سکتے تھے۔ ابو یوسف و زفر قیاس میں یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل حدیث میں۔ قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقوی میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کہیں غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اُس کو کب غلطی پر رہنے دیتے۔

شاگرد کا رتبہ و اعزاز اُستاد کیلئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہیں ہے۔ امام صاحب اگر یہ دعوی کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور اُستاد تھے۔ امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے[۵]۔ یہ وہی امام محمدؒ ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابو یوسفؒ و امام محمدؒ اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کی تبعیت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعوی کرتے تو اُنکا جدا طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالک و شافعی کی طرح اُنکے بھی ہزاروں لاکھوں مقلد بن جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ حدیث اسماء الرجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اُن کی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔ فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کی نسبت اس دعوے پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور یہ تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب

۱؎ وکیع کا مستقل ترجمہ اس کتاب کے آئندہ صفحوں میں دیکھو۔۱۲ ۵؎ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس روایت سے تعجب ہوگا اور وہ اسباب جنکی [illegible] بہت تعجب ہے مگر انکو معلوم ہونا چاہیئے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہیں اس روایت کی تصدیق کی ہے دیکھو تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ امام محمد ۱۲

کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہ بھی تھے محدثین میں سے جو امام کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن اُن کی شاگردی کا تعلق چنداں مشہور نہیں ہے اس موقع پر جن لوگوں کے نام لکھونگا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتاب کا حوالہ دونگا۔ امام صاحب کے[1] بیشمار شاگردوں میں سے ہم اُن چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم انمیں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کرسکے یعنی قاضی ابو یوسف۔ زفر۔ اسد بن عمر۔ عافیۃ الازدی۔ داؤد الطائی قاسم بن معن۔ علی بن مسہر یحیٰی بن زکریا۔ حبان۔ مندل۔ چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں اُنکے علاوہ بعض اُن شاگردوں کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم اُنہیں سے شروع کرتے ہیں۔

یحییٰ بن سعید القطان

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ فن رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں پھر اُنکے شاگردوں میں یحییٰ بن معین علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل۔ عمرو بن علی الفلاس۔ ابو خیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی اور اُنکے بعد اُنکے شاگردوں یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے حدیث میں اُنکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تو امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہوکر اُنسے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو اُنکے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے[2]۔ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی اُسکو چھوڑ دینگے۔ امام احمد حنبل کا مشہور قول ہے کہ مارأیت بعینی مثل یحییٰ بن سعید القطان[3] یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ کا مثل نہیں دیکھا اس فضل و کمال کیساتھ امام ابو حنیفہ کے حلقۂ درس میں اکثر شریک ہوتے تھے اور اُنکی شاگردی پر فخر کرتے اُسوقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں[4] امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[5] یعنی ہم نے امام ابو حنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کئے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن جراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحییٰ القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور یحییٰ قطان بھی اُنہیں کے قول پر فتویٰ دیتے تھے سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبد اللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے وہ امام جسکی امامت و جلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جس کی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے۔

حدیث میں جو اُن کا پایہ تھا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محدثین اُنکو امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر اُنکے شاگردوں میں سے ایک شخص نے اُنسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے، عالم المشرق کہتے ہو! وہ عالم المشرق والمغرب ہیں،' امام احمد حنبل کا قول ہے کہ عبد اللہ بن المبارک کے زمانہ میں اُن سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی۔ خود عبد اللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی[6]۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں۔ حدیث و فقہ میں اُنکی بہت سی تصنیفات

---

[1] فتح المغیث وجواہر المضیئہ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحییٰ القطان ۱۲ [3] میزان الاعتدال علامہ ذہبی۔ دیباچہ ۱۲ [4] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲ [5] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲ خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبد اللہ بن المبارک۔

ہیں لیکن افسوس ہے کہ آج اُن کا پتہ نہیں اُنکے فضل و کمال زہد و تقویٰ نے اسقدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے۔ اُنکے آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگونکی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھاگئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا کہ خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے بولی کہ حقیقت میں سلطنت اسکا نام ہے ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا[51]

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ اُن کا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[52] یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ و سفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھکر نہ ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کی شان میں اُنکے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جنمیں سے ایک شعر یہ ہے۔

رأیت ابا حنیفۃ حین توتی   ویطلب علمہ بحرا غزیرا

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت وفات پائی۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ محدث

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگونکا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے چنانچہ یحییٰ کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے اور اُنکے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور اُستاد تھے کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہوگیا[53] صحاح ستہ میں اُن کی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنون میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُنکا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات۔

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک اُنکے ساتھ رہے تھے یہانتک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ وہ تیس برس تک شریک رہے" اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں ہے۔ لیکن کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ بہت دنوں تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت انہیں سے متعلق تھی[54]۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگونکا قول ہے کہ کوفہ میں اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگوں نے انہیں مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مدائن میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو اُن کی شاگردی پر فخر تھا۔ چنانچہ جب وہ اُن کی

[51] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲ [52] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [53] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲ [54] الجواہر المضیۃ ترجمہ یحییٰ ۱۲

روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو اُن لفظوں سے شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث مجھ سے اُس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اُسکے مثل نہ دیکھا ہوگا[۵۱]۔ یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں اُنکا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں[۵۲]۔ اکثر ائمہ حدیث نے اُن کی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں بخاری و مسلم میں اکثر اُن کی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق اُن کی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کیجاتی ہیں۔

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُنسے بہت سی حدیثیں سنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہیں کے قول کے موافق فتویٰ دیتے تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفة وکان قد سمع منه شیئًا کثیرًا[۵۳] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہے ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

یزید بن ہٰرون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اُنکے شاگرد تھے امام احمد حنبل علی بن المدینی یحییٰ بن معین ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اُنکے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے۔ علامہ نووی نے اُنکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ اُنکا شمار نہیں ہوسکتا۔ یحییٰ بن ابی طالب کا بیان ہے کہ ایک بار میں اُنکے حلقۂ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی[۵۴]۔ کثرت حدیث میں لوگ اُنکی مثال دیتے تھے خود ان کا بیان ہے کہ مجھ کو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ علی بن المدینی (امام بخاری کے اُستاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے اُن سے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں انکو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں انکا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اسوجہ سے اُنکو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا اُنکا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اُٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسی کو بڑھکر نہیں پایا[۵۵]۔ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل۔ علی بن المدینی وغیرہ نے اُن سے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے۔ کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اس طرح جو حدیثیں روایت کیں ان کی تعداد تین یا چار ہزار ہے[۵۶]۔ یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جن کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانیوالے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں[۵۷] مختصر تاریخ بغداد میں اُن کی نسبت لکھا ہے کہ امام صاحب کے مشہور شاگردوں میں تھے مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہیں دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے شہرہ سنکر اُن کو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی۔ چونکہ قرض سے زیر بار تھے

---

۵۱ تہذیب الاسماء و اللغات علامہ نووی ترجمۂ وکیع بن جراح ۱۲ ۵۲ تہذیب الاسماء و اللغات ۱۲ ۵۳ حافظ عبد البر کے قول میں شیئًا کی بجائے "حدیثا" کا لفظ ہے جو صاف اور صریح اس دعوے پر دلالت کرتا ہے دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول ۱۲ ۵۴ میزان الاعتدال ترجمۂ حفص ۱۲ ۵۵ تہذیب الاسماء و اللغات نووی ترجمہ یزید بن ہرون ۱۲ ۵۶ تہذیب الاسماء و اللغات ۱۲ ۵۷ تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمۂ امام ابوحنیفہ ۱۲

مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ اور قضاۃ کا تمام سررشتہ انکے اہتمام میں تھا چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کردیا اسلئے انکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے سرافعہ میں آئیں تو انکو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے لیکن جب انکے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی ہے۔[ف]
۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے۔ ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔

ابو عاصم النبیل

ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے مشہور محدث ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ان کی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے نہایت پارسا اور متورع تھے امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب مجھکو معلوم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔
انکا لقب نبیل تھا جسکے معنی معزز کے ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایکدفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ میں حدیث نہیں روایت کرونگا چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور انکے درس سے ہزاروں طلبا استفید ہوتے تھے لوگونکو بہت تشویش ہوئی ابو عاصم نے جیال سنا تو اسی وقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اپنے غلام کو آپکی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالئے اور حدیث کا درس دیجئے۔ شعبہ کو انکے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اس وقت سے یہ لقب مشہور ہوگیا۔[ف] یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردوں میں تھے۔[ف]
خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایکدفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابو حنیفہ بولے کہ موازنہ تو ان چیزوں میں ہوتا ہے جو ایکدوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیان صرف فقیہ ہیں ۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ انکی روایتوں سے مالامال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپنے عبد الرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا جواب دیا کہ نہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عینیہ یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی امام احمد حنبل فن حدیث میں انکے شاگرد تھے۔ طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کرکے ان کی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہاں تک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اسقدر دور دراز سے مسافتیں طے کرکے لوگ نہیں گئے۔
حدیث میں انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبد الرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ علم کا خزانہ ہے۔
ان کو ابو حنیفہؒ سے فن حدیث میں تلمذ تھا عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے چنانچہ ان کے اخلاق و عادات کے متعلق انکے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ انکا قول تھا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھکر کسی کو حلیم نہیں دیکھا۔ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

[ف] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲ [ف] الجواہر المضیئہ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [ف] الجواہر المضیئہ ترجمہ ابو عاصم ۱۲ [ف] الجواہر المضیئہ ۱۲
[ف] انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام ۱۲

داؤد الطائی

خدا نے عجیب حسن قبول دیا تھا صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں۔ تذکرۃ الاولیاء میں اُنکے مقامات عالیہ مذکور ہیں۔ فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ اُنکے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں محدثین کا قول ہے کہ ثقۃ بلا نزاع[۱] اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن وثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر لگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں اُن کا قصہ بیان کرتا[۲]

ابتدا میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اُسپر کنکری پھینک ماری اُس نے کہا داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے۔" ان پر عجیب اثر ہوا۔ بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ تاہم تحصیل کا مشغلہ جاری تھا برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور کل چیزوں سے قطع تعلق کر لیا امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں"

یہ امام ابو حنیفہ رح کے مشہور شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی۔ ابن خلکان۔ علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں اُنکے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ میں بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے سنہ ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ ان بزرگوں کے سوا اور بھی نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان۔ سعید بن اوس۔ عمر بن میمون فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہم نے صرف اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

فقہا جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت و شان اس قابل تھی کہ ان کا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی اُنکے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہے کہ اُنکی مختصر تاریخ لکھ دوں جس سے اُنکی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے اُنکا نسب انصار سے ملتا ہے اُنکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے اُنکے باپ ایک غریب آدمی تھے مزدوری محنت کرکے زندگی بسر کرتے تھے یہ سنہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اُنکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں تاہم جب قاضی صاحب موقع اور فرصت پاتے علماء کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن

---

[۱] میزان الاعتدال ذہبی ۱۲ [۲] تاریخ ابن خلکان ۱۲

امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں حاضر تھے کہ اُنکے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اُٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابوحنیفہ کو خدا نے رزق کیطرف سے اطمینان دیا ہے تم اُنکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابوحنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے اُنکو

تحصیل علوم و سامان

امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو اُسمیں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے اُن سے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا۔ اس طرح برابر اُنکو مدد دیتے رہے یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاد وقت بنگئے۔

اساتذہ

قاضی صاحب نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ سلیمان تیمی۔ ابو اسحق شیبانی۔ یحیی بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ محمد بن اسحق سے مغازی و سیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلی سے فقہ کے مسائل سیکھے خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے حافظ ابن عبدالبر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے۔

امام ابوحنیفہ جبتک زندہ رہے قاضی صاحب اُنکے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے اُن کی وفات کے

عہدہ قضا

بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں اُن کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی اُن کو اسی عہدہ پر بحال رکھا لیکن ہارون الرشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں اُن کی تفصیل خود اُن کی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُن کی زبان پر تھے "اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً اخلاف واقع نہیں کیا میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابوحنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہانتک مجھکو معلوم ہے ابوحنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے۔ اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نہ جاتے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ کوفہ بغداد کے محتاجوں کو دیئے جائیں۔

شہرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے اگرچہ اُنکی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہوئی لیکن اور علوم میں بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحیی کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر۔ مغازی۔ ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ اُنکا ادنی سا علم تھا۔ حدیث میں اُنکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اُنکا ترجمہ لکھا ہے۔ یحیی بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرائے میں ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں[1] امام احمد حنبل کا قول ہے کہ وہ کان منصفا فی الحدیث مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابو یوسف اتبع القوم للحدیث۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کئے ہیں۔

امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔"
یحیٰی بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ اس سے زیادہ
اُن کی عظمت و شان کی کیا دلیل ہوگی[۱]۔

فقہ میں جو اُن کا پایہ ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے امام ابو حنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا ایک
دفعہ وہ بیمار ہوئے امام صاحب عیادت کو گئے واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ اگر خدانخواستہ یہ شخص ہلاک ہوا تو
دنیا کا علم ہلاک ہوا" اور ائمہ بھی اُن کے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور
محدث تھے اُنھوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا اُنہوں نے جواب بتلایا امام اعمش نے کہا اسپر کوئی سند
بھی ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپنے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا کہ"
یعقوب یہ حدیث مجھکو اُس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اُسکا صحیح مطلب آج
ہی سمجھ میں آیا[۱]۔

تصنیفات

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں اُن کی تصنیفات بہت ہیں اور
ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اُن کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج
گزری ہے اس لئے ہم اُسکے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج وجزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب
سے یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب نے اُس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہیں تحریروں
کا مجموعہ ہے اگرچہ اسمیں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسلئے اسکو اس زمانہ کا قانون
مالگذاری کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع۔ لگان کی مختلف شرحیں کاشتکاروں
کی حیثیتوں کا اختلاف۔ پیداوار کی قسمیں اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے۔
اور اُنکے متعلق قواعد قرار دیئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک بڑی خوبی یہ کہ نہایت آزادانہ ہے قواعد
اور ہدایتوں کے ساتھ جا بجا اُن ابتریوں کا ذکر ہے جو نظامات سلطنت میں موجود تھیں اور نہایت بیباکی کیساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

آزادی کے ساتھ فرائض انجام

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید جیسے جبار و خود پرست
بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جس کی مثال ایشیائی سلطنتوں میں
بہت کم ملسکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المؤمنین! اگر تو اپنی رعایا کے
انصاف کے لئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار ان لوگوں
میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم
اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عمال و صوبہ دار ونکو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے
تو ظالمونکو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے۔

قاضی صاحب کے سوا کس کو جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا؟
تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا قاضی صاحب کے مخالفین نے اُن کو

---

[۱] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحیں ہیں یا انکا منشا صرف اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے۔ [۱] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف [۱] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی ۱۲

خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند روایتیں بھی گھڑلی ہیں بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں۔ ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کے لئے ہوئے بس استا کا کام دیتی ہیں۔ اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفا میں منقول ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہم نے نقل کئے ہیں جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہیں اُن کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

حاطب اللیل مورخین ایک طرف۔ بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق کی پروا نہ کی۔ بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اُس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جائیگا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائے گا۔

افسوس امام بیہقی کو باایں ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی۔ حافظ ابن حجر نے جن سے بڑھکر اُن کے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب[1] لکھی ہے جو آجکل مصر میں چھاپی گئی ہے وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ وہی مکذوبۃ وغالب مافیہا موضوع وبعضہا الملفق من روایات ملفقۃ واوضح مافیہا من الکذب قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علیٰ قتل الشافعی۔ یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اسکا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اسمیں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف و محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جس نے علماء کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا جو آجتک برتا جاتا ہے ورنہ اُنسے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں۔ ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا جسکو حرستا کہتے ہیں ان کے والد وطن چھوڑ کر واسطہ چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین و فقہا کی صحبت اُٹھائی مسعر بن کدام۔ امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں اُن کے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے اُن سے استفادہ شروع کیا

[1] اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ میں مطبع میریہ میں طبع ہوئی ہے ۱۲

ہارون الرشید نے انکے فضل وکمال سے واقف ہوکر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا ۱۸۹ھ میں رے گیا تو ان کو بھی ساتھ لیگیا۔ رے کے قریب نبوایہ ایک گاؤں ہے وہاں پہنچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا کہ آج فقہ و نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے" علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے جانگداز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا　　بایضاح یوما وانت فقید

ترجمہ یعنے ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئے گا۔ امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا ۱۷۵ھ میں یحیی علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون الرشید انکا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا اور دیکر صلح اختیار کی۔ معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحیی کے اطمینان کے لیئے بڑے بڑے علماء فضلاء فقہاء اور محدثین نے اُسپر دستخط کیئے۔ یحیی صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا تمام علماء نے ہارون الرشید کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُس کا اندازہ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے انہیں کا قول ہے وہ کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔

امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل آپکو کہاں سے حاصل ہوئے؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں[۵] سے۔

امام محمد کے حلقۂ درس سے اگرچہ اور بہت سے نامور علماء تعلیم پاکر نکلے لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سینکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟ بے شبہ امام شافعی کو امام محمد کے فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے راستے دکھائے اور اُس کا خود انکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں "کان محمد بن الحسن جید المنزلۃ عند الخلیفۃ فاختلفت الیہ و قلت ھو اولی من جھۃ الفقۃ تلزمتہ وکتبت عنہ[۵] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اسلیئے میں اُنکے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اسلیئے میں نے اُنکی صحبت لازم پکڑی اور اُنکا درس قلمبند کرتا رہا"

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت اُنکے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں جا رہے تھے راہ میں امام شافعی ملے جو اُن کی ملاقات کو آرہے تھے اُسی وقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں

---

[۵] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں ۱۲ [۵] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۶۹

اسوقت حاضر نہیں ہوسکتا امام شافعی نے کہا کہ میں اور کسیوقت حاضر ہونگا آپ بلا دیں تشریف لیجائیں امام محمد نے کہا نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں[۱]، امام محمدؒ و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے اسی بنا پر بعضوں کو اُن کی شاگردی سے انکار ہے لیکن اُس زمانہ کی اُستادی و شاگردی میں یہ امور معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور اُن کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر۔ حدیث۔ ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمدؒ سے بڑھکر نہیں دیکھا[۲]، ادب و عربیت میں اگرچہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں اُن کا کیا پایہ تھا۔ چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کیساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں اُن کی کتاب مؤطا مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کے رد میں لکھی ہے اسمیں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کیساتھ کہا ہے مدینہ والونکو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں حالانکہ ان مسائل میں صریح اُن کے خلاف حدیث موجود ہے۔

امام محمدؒ کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے ہم ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں جنمیں امام ابوحنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اس لئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اُصول خیال کئے جاتے ہیں۔

مبسوط۔ اصل میں یہ کتاب قاضی ابویوسف کی تصنیف ہے۔ انہیں مسائل کو امام محمدؒ نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمدؒ کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر۔ مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی۔ اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابویوسف کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جنمیں سے ایکسو ستر[۱۷۰] مسئلے کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے۔ اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں (۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا (۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن اُن کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہے (۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے اُنسے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر۔ جامع صغیر کے بعد لکھی گئی۔ ضخیم کتاب ہے۔ اسمیں امام ابوحنیفہ کے اقوال کیساتھ قاضی ابویوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے۔ متاخرین حنفیہ نے اُصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہائے نے اسکی شرحیں لکھیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اسمیں درج کئے ہیں اور اسی لئے زیادات نام رکھا۔

کتاب الحجج۔ امام محمد امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں رہکر امام مالک سے

---

[۱] توالی التاسیس صفحہ ۴۹ [۲] الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمدؒ ۱۲

مؤطا پڑھی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل ہیں وہ لوگ امام ابوحنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمدؒ نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اسمیں اول وہ ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کر کے حدیث اثر۔ قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے میں نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر۔ یہ سب سے آخر تصنیف ہے۔ اول سیر صغیر لکھی اُسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا۔ اُنھوں نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت؟" امام محمدؒ نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی تیار ہو چکی تو ساٹھ جزوں میں آئی۔ امام محمدؒ اُس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی اُس نے قدردانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمدؒ سے اُس کی سند لیں۔
ان کتابوں کے علاوہ امام محمدؒ کی اور تصنیفات بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مثلاً کیسانیات۔ جرجانیات۔ رقیات۔ ہارونیات لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں بلکہ کتاب الحج جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے

امام زفر

فقہ میں اگرچہ ان کا رتبہ امام محمدؒ سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔ اور ان کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ اس لئے صاحبین سے اُن کو موخر رکھنا پڑا۔
یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ میں ان کو حدیث کا توغل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔
یحییٰ بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں اُن کا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون[1] بعض لوگوں نے انکی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتماد نہیں۔
انکو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا امام ابوحنیفہ اُن کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع بن الجراح جسکا ذکر اوپر گذر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے۔ قضا کا عہدہ بھی اُن کو ملا تھا۔ سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۸ھ میں وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے۔ صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے اُن کو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امام محمدؒ ان کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی۔
امام ابوحنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی منجملہ اُن لوگوں کے ہیں جن کی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو ان کو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں۔ ان دونوں علموں میں سے وسیع کونسا علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" سنہ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام ابو حنیفہ کی مجلس تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا تھا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحیی بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ ہلال ارضی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور عیان ہاشم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کے برابر بیٹھا۔ مجھکو نہایت تعجب ہوا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں۔[1]

علی بن مسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد حنبل ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ امام سفیان ثوری نے امام ابو حنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی۔ موصل کے قاضی تھے سنہ ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔[2]

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہیں جن کی نسبت امام ابو حنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تک عافیہ آ چکیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔ علامہ ذہبی نے ان کی نسبت کہا ہے کہ کان من خیار القضاۃ

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ میں ان کی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان کی قوت حفظ کے بہت مداح تھے۔ سنہ ۱۷۱ھ میں وفات کی۔

مندل

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبد الملک بن عمیر و عاصم الاحول و امام ابو حنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے۔ سنہ ۱۶۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بھائی حبان نے نہایت پر اثر مرثیہ لکھا ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسکے چند اشعار نقل کیے ہیں وہ شعر یہ ہیں

فاذا اذکر فقدان اخی	اتقلبت فی فراشی ارقا
واخ ای اخ مثل اخی	قد جری فی کل خیر سبقا

تمت بالخیر

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم	دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵ - دسمبر سنہ ۱۸۹۲ء مقام علی گڈھ

شبلی نعمانی

[1] الجواہر المضیئہ ۱۲ [2] یہ حالات مجھکو سر تا سر الجواہر المضیئہ سے معلوم ہوئے۔

بیان سلف
کمالات سلف

مولانا نے اس کتاب میں سلف کی اولوالعزمیوں کو اور قدیم شاہان دہلی کی رعایا نوازی کو اس اسلوب اور طریقہ سے دکھایا ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔
قیمت ۱۰/ رعایتی ۶/

فہرست مضامین

(۱) مدینہ منورہ کی ترقی کے اسباب اور شہرت وناموری
(۲) یمن کا لفظی خزانہ
(۳) زوال عجم
(۴) بناء بغداد اور خلیفہ ابو جعفر منصور
(۵) بلغاریہ جسوقت اسلام کے سایہ میں آیا
(۶) دہلی مرحوم
(۷) دہلی اور اس کا اگلا دربار
(۸) سلطنت دہلی کے بعض چیدہ امرا
(۹) جہاں آرا
(۱۰) امیر تیمور کی سفارت سلطنت ہسپانیہ میں

قدیم مسیحیت
مصنفہ مولانا عبد الحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا نے دکھایا ہے کہ قدیم زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں نے کیا برتاؤ کیا اور مسلمان ان سے کس طرح

پیش آئے اور جس قدر اس مذہب کے جدا جدا فرقے نکلے سب کو مفصل بیان کیا ہے اور اس مذہب کی ترقی کے اسباب بیان کئے ہیں۔ قیمت (۸/) رعایتی (۵/)

حالات اقوام کُرد و ترکان آل عثمان

مولفہ مولوی عبد الحلیم صاحب شرر۔ کُردوں کی معاشرت و رسومات شادی وغمی و مذہبی عقائد اور اُنکا ترکوں کے ساتھ تعلق۔ سلطان کے محل کے اندرونی حالات اور زنانہ دربار کا پورا نقشہ اور والدہ سلطانہ و قادن آفندی کے اختیارات گرجستان کی لڑکیوں کی پرورش و تعلیم اور سلطان کی خدمت میں پیش کیا جانا بالکل نئی کتاب ہے قیمت (۴/) رعایتی ۳/

خلافت

تینوں خلافتوں کے حالات مفصل لکھے گئے ہیں اور نیکی کا بدلہ بدی حاصل ہوا جن کے واسطے کوشش کی اُنہیں نے اُنکو قتل کیا قیمت (۴/) رعایتی ۲/

مخدرات تیموریہ

بے عیب خاندان شاہی کی مستورات کا عالیشان سلسلہ عصمت وعفت کے پاکیزہ کرشمے جو ہر ایک شجاع اور بہادر قوم کی تاریخ کی جان ہے اور اس

سرزمین کے سبب سے سرسبز اور ہرے بھرے باغ کے شگفتہ پھولوں کی بہار جو ایک دفعہ قومی زمین کہلا چکی ہے شجاعت اور تہور کے حیرت انگیز تماشے۔ جنہوں نے ساری دنیا کو مسخر کر لیا تھا ایک عظیم الشان خاندان کی شان وشوکت کی تعجب ناک تصویریں جنکی تصویر چشم فلک نے نہیں دیکھی قیمت کاغذ سفید بھی ۱۲/ مجلد

کتب متفرقات

کتاب	قیمت
تفسیر سر سید احمد خاں مرحوم ۵ جلد	۱۲/
خطبات احمدیہ یعنی سوانح رسول اکرم	۴/
شعر العجم مصنفہ شبلی	۸/
موازنہ انیس و دبیر شبلی	۲/
تذکرہ اولیائے ہند	۱/
بستان المفردات	۲/
رکن الدین	۸/
فتوی نظیریہ	۶/
اردوئے معلیٰ غالب	۲/
قصص الانبیاء کلاں	۶/
مرات محمدی تاریخ گجرات	۶/
بہشتی زیور مدلل	۵/
ایضاً معمولی	۳/
تاریخ حبیب اللہ	۱۰/
قصص الانبیا خورد	۱۰/
تلویا تلوزرا	۲/
تفسیر ... فرخ جہاں مجلد	۵/

تمام درخواستیں بنام ... الحسن قومی کتب خانہ دہلی زیر جامع مسجد آنا چاہئیں۔